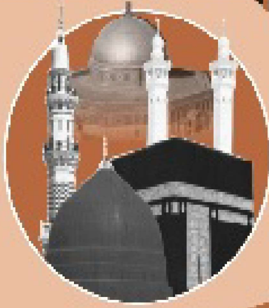
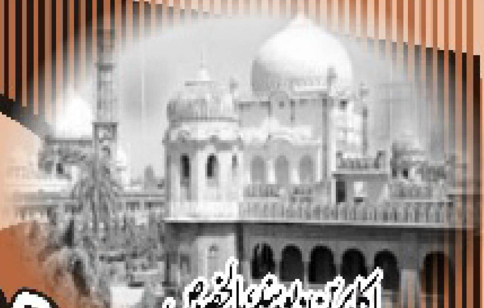
یا اللہ مدد

اسلامی کلمہ: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

حق چار یار





اکابرین دیوبند بالخصوص
شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ
کے افکار ونظریات کا بے باک ترجمان

مجلہ سہ ماہی صفدر

106

دسمبر 2019ء — ربیع الثانی ۱۴۴۱ھ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ

قاضی مظہر حسین حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ

اس تعریف سے واضح ہوا کہ معصوم ہونے کے لیے دو باتیں ضروری ہیں: ۱۔ گناہوں سے بچنا۔
۲۔ قدرت واستطاعت کا برقرار رہنا۔

پہلی بات تو ظاہر ہے کیونکہ عصمت کا معنی ہی یہی ہے۔ اور دوسری بات اس لیے ضروری ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام قدرت وبشریت کے باوجود گناہوں سے رکتے ہیں جو ان کی امتیازی خصوصیت ہے، چنانچہ دیگر انسانوں کا گناہوں سے بچنا کوئی لازم نہیں ہے اور فرشتے گو گناہوں کا ارتکاب نہیں کرتے لیکن ان میں گناہوں کے اسباب ودواعی بھی موجود نہیں ہوتے، یہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی قدسی صفات جماعت ہے جو تمام تر اسباب ودواعی مہیا ہونے کے باوجود اللہ تعالی کی نافرمانیوں سے رکتے ہیں اور ان کا گناہوں سے رکنا کوئی وقتی بات یا امکان کے درجہ میں نہیں ہوتی ہے بلکہ دائمی اور لازمی ہے۔ [عقیدہ عصمت انبیاء: ۷]

مظہریہ دار المطالعہ سرگودھا
0312 4612774 0334-4612774
khadim.khan4@yahoo.com

ترتیب

وفیات: امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کا پڑپوتا، شیخ الحدیث مولانا عبدالقدوس قارن کا تین سالہ پوتا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، گوجرانوالہ......تیز گام ریل کے حادثہ میں شہید ہونے والے بیسیوں مسلمان رحمہم اللہ......شیخ الحدیث مولانا اسفندیار خان رحمہ اللہ، کراچی......مولانا سیف الرحمٰن درخواستی رحمہ اللہ، راجن پور......تحریک خدام اہل السنۃ والجماعۃ کے مرکزی نعت خوان جناب صوفی عبدالمجید خدامی رحمہ اللہ، کلورکوٹ ......خطیب خوش الحان حضرت مولانا عبدالحمید وٹو رحمہ اللہ......مولانا عبدالجبار سلفی کے والد مکرم اور پھوپھی صاحبہ رحمہما اللہ......جامعہ اشرف المدارس کراچی کے ناظم مولانا مفتی ارشاد رحمہ اللہ......صاحبزادہ حامد سراج رحمہ اللہ، کندیاں ......اسلام آباد آزادی مارچ کے بعض شرکاء رحمہم اللہ......جامعہ مفتاح العلوم سرگودہا کے استاذ الحدیث مولانا شفیق احمد سلیم مدظلہ کے والد گرامی رحمہ اللہ......مولانا مقبول صاحب [امام: تبلیغی مرکز، بہاول پور] کی اہلیہ محترمہ رحمہا اللہ......جمعیۃ علماء اسلام کے ڈپٹی سیکرٹری مولانا محمد حنیف شہید اور ان کے تین ساتھی رحمہم اللہ...... دارالعلوم دیوبند کے معمر وقدیم ملازم حاجی یعقوب رحمہ اللہ......دارالعلوم مدنیہ بہاول پور کے مدرس ماسٹر محمد سلیم صاحب کی خوش دامن صاحبہ رحمہا اللہ......مولانا جواد الرحمٰن [احمد پور شرقیہ] کے دادا محترم رحمہ اللہ......جامعہ مظہریہ حسینیہ کے الیکٹریشن محمد عالم سومرو کے بھائی رحمہ اللہ......یار محمد سومرو رحمہ اللہ، سندھ

قارئین سے مرحومین کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔

پیام صفدر

بابری مسجد!!

بابر نامی بادشاہ کے دور میں علاقہ ’اودھ‘ کے میر باقی اصفہانی نامی حاکم نے ۹۳۵ھ بمطابق ۱۵۲۸ء میں تین گنبد والی یہ قدیم مسجد تعمیر کرائی۔ ۱۹۴۹ء تک تقریباً سوا چار سو سال یہ مسجد بغیر کسی اختلاف کے ’’مسجد‘‘ کی حیثیت سے مسلمانوں کے زیر انتظام رہی۔ البتہ ۱۸۵۵ء میں انگریز کی ہندوستان آمد کے موقع پر ہندو مسلم اختلافات کو ہوا دینے اور ایک دوسرے کو برداشت نہ کرنے کی آگ بھڑکانے کی پالیسی میں جہاں اور طور طریقے تھے، وہاں مسجد و مندر کا جھگڑا بھی شامل تھا۔ چنانچہ سازش کے ذریعہ ایک نجومی سے یہ کہلوایا گیا کہ بابری مسجد سے متصل احاطہ ہندوؤں کے لیے انتہائی اہم اور محترم مقام ہے۔ کیونکہ یہ ’’جنم استھان‘‘ ہے۔ چنانچہ ہندو اس احاطہ سمیت پوری مسجد پر قبضہ کرنے کے درپے ہوگئے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں دو علاقائی ہندو مسلم راہ نماؤں کی سمجھداری کی بدولت یہ معاہدہ طے پایا کہ مسجد سے متصل احاطہ ہندوؤں کو دے دیا جائے اور مسجد مسلمانوں کے سپرد رہے۔ ہندو مسجد کی عمارت ہتھیانے کے دعوے سے دستبردار ہوجائیں۔ فریقین اس معاہدہ پر بخوشی راضی ہوگئے۔ لیکن انگریز نے اپنی سازش ناکام ہوتے دیکھی تو ان دونوں راہ نماؤں کو ایک ساتھ پھانسی دے کر مسجد، مندر تنازعہ کو از سر نو زندہ کر دیا۔ یہ سلسلہ بڑھتا رہا، حتی کہ دسمبر ۱۹۴۹ء میں بعض ہندوؤں نے رات کے وقت مسجد کے عین محراب میں ایک مورتی رکھ دی، جس پر حالات انتہائی کشیدہ ہوگئے۔ اور اس عمارت کو مقفل کر کے فریقین کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ وغیرہ حضرات نے اُس وقت کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کو اس طرف توجہ دلائی، جواہر لال نہرو نے ’یوپی‘ کے وزیر اعلیٰ کو تحریری ہدایت جاری کی، لیکن کوئی مثبت کاروائی نہ ہوسکی۔ مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم نے اس حادثہ کے وقت کہا تھا کہ:

> ’’میرے ذہن میں یہ سوال گونج رہا ہے کہ: مستقبل میں مسلمانوں کو ایک ملت کی حیثیت سے قبول کیا جائے گا یا نہیں؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ملتا ہے تو بابری مسجد سے بت ہٹا دیئے جائیں گے۔ اور اگر آئندہ چل کر اس کی نفی ہوتی ہے تو انتظار کیجیے! دوسری مسجدوں میں بھی اس طرح کے حادثات پیش آسکتے ہیں۔‘‘

یہ معاملہ مختلف عدالتوں میں زیر بحث رہا، اور مسلسل ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت مسلمانوں کو مسلسل جھوٹی طفل تسلیوں سے دھوکے میں رکھ کر پس پردہ ہندو انتہا پسندوں کی حمایت جاری رہی۔ حتی کہ

مارچ ۱۹۵۱ء میں ہندوؤں کو اس عمارت میں پوجا پاٹ کی اجازت مل گئی، مگر مسلمانوں کو نماز کی اجازت نہ مل سکی۔

۳۵/سال تک اس مقدمے کی فائلیں عدالتی گرد میں اٹی رہیں، اور اس دوران مسجد کی تعمیر و تزیین وغیرہ میں بہت سی منفی تبدیلیاں کی جاتی رہیں۔ فروری ۱۹۸۶ء میں ایک عدالت نے ہندوؤں کو پوجا پاٹ کی اجازت دیتے ہوئے انتظامیہ کو کسی بھی قسم کی رکاوٹ ڈالنے سے منع کر دیا۔ اِس عدالتی فیصلے سے ہندوؤں کے حوصلے بڑھے اور اکتوبر ۱۹۹۰ء میں باقاعدہ منصوبہ بندی، پوری تیاری اور ملک بھر کی ہندو تنظیموں کی جہد مسلسل کے بعد مسجد کو منہدم کرنے کی کوشش کی گئی جو اُس وقت کے سکھ وزیر اعلیٰ کی ہمت اور کوشش کے باعث مکمل کامیاب نہ ہو سکی۔ انتہا پسند ہندو تنظیموں کی جانب سے اِس ناکامی کا بدلہ سیکڑوں مسلمانوں کے قتل عام کے ذریعہ لیا گیا۔ آئندہ سال دسمبر ۱۹۹۱ء میں ایڈوانی وغیرہ کی سربراہی میں مکمل سرکاری پہرے کے اندر تقریباً دو لاکھ کے لگ بھگ ہندوؤں نے بابری مسجد کا نام ونشان ختم کرنے کی غرض سے بقیہ ماندہ عمارت کو شہید کر کے اس کا ملبہ دُور ڈال کر نہ صرف میدان برابر کر دیا بلکہ ایک گھروندا تعمیر کر کے مورتی نصب کی اور پوجا پاٹ کا آغاز بھی کر دیا۔ گویا دسمبر ۱۹۴۹ء میں بابری مسجد کے خلاف جو تحریک شروع کی گئی تھی، دسمبر ۱۹۹۱ء میں انڈین حکومت کے زیر سایہ تکمیل کو پہنچ گئی۔ نیز علاقے کی دیگر مساجد اور مسلم گھرانوں کو بھی تہس نہس کیا گیا، اور اِسی پر بس نہیں، اِس اندوہناک ظلم وستم پر صدائے احتجاج بلند کرنے والے ہزاروں مسلمانوں کو خاک وخون میں تڑپا اور نارِ تپیدہ میں جھلسا دیا گیا۔ مسلمانوں کی اربوں کی املاک لوٹ لی گئیں، یا نذرِ آتش کر دی گئیں۔

مسجد ملیا میٹ کر دی گئی، اس کی جگہ گھروندا بنا کر اس میں مورتی کی پوجا بھی شروع ہوگئی، مگر مسلمانوں کو جھوٹی تسلی دینے اور حالات کے مزید سازگار ہونے کے انتظار میں عدالت میں مقدمہ بھی چلتا رہا۔ ستمبر ۲۰۱۰ء کو الہ آباد ہائی کورٹ کے ایک بنچ نے ۶۰/سالہ انتظار کے بعد ہندوؤں کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔ جسے مسلم تنظیموں کی طرف سے سپریم کورٹ میں چیلنج کیا گیا، نو سال بعد ۹/نومبر ۲۰۱۹ء کو سپریم کورٹ کا فیصلہ بھی ہندوؤں کے حق میں آیا، جس میں بابری مسجد اور اس سے متصل احاطہ کو مندر کا حق قرار دیا گیا اور مسجد کے لیے کسی اور جگہ پر ۵/کنال زمین دینے کا کہا گیا۔ [دیکھیے ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، ستمبر اکتوبر ۲۰۱۰ء]

یا اللہ! ہم بے بس ولاچار ہیں، اے ابرہہ کے لشکر سے ابابیلوں کے ذریعہ بیت اللہ کی حفاظت کرنے والے خدا، بابری مسجد سمیت دنیا بھر کی تمام مساجد کی حفاظت کے لیے ہمیں ابابیل بنا دے۔ آمین

☆......☆......☆......☆

مرتب: مولانا مفتی شعیب احمد

المجالس الحسنہ

مجالس: مولانا مفتی محمد حسن مدظلہم [خلیفہ مجاز: حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ]

مجلس......۳/ اکتوبر ۲۰۱۳ء ذوالقعدہ ۱۴۳۴ھ، بوقت گیارہ بجے بمقام مسجد جامعہ محمدیہ

سفرِ حج کی تقریب:

حضرت والا کی خدمت میں حاضری اور قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ آج کی مجلس کی تقریب یہ تھی کہ حضرت والا نے چونکہ اتوار کے روز سفرِ حج کے لیے روانہ ہونا تھا اس لیے آج طلبہ سے الوداعی ملاقات اور گفتگو فرمائی۔

اصل دعوت عملی دعوت ہے:

حضرت نے فرمایا: ’’دعوت کا تعلق بیان و تقریر سے نہیں بلکہ اصل دعوت کا تعلق مسلمان کے عمل سے ہے۔‘‘

دنیا عارضی ہے:

پھر فرمایا: بھائی سعید انور صاحب یہاں آئے تھے تب تک وقت نہیں لگا تھا۔ ہر مسلمان کے دل میں اللہ نے ایک نور چھپا رکھا ہے۔ پھر کچھ عرصے بعد آئے تو ماشاء اللہ سنت مبارکہ بھی تھی۔ پھر میں نے ان کو یہاں منبر پر بٹھایا کہ یہاں بیان کریں۔ کہنے لگے میری ڈھائی سال کی بچی تھی وہ بیمار ہو گئی، میرے پاس دنیا کے مال و اسباب کی کمی نہیں تھی، لیکن اس سب کچھ کے باوجود میں اس کی زندگی میں ایک لمحے کا اضافہ نہیں کر سکا۔ اس سے یہ بات کھل گئی کہ دنیا عارضی ہے۔

حضرت نے فرمایا: ہم دنیا کے لمبے لمبے منصوبے بناتے ہیں۔ ایک بزرگ فرمانے لگے کہ لمبے منصوبے تو آخرت کے ہونے چاہئیں اور دنیا کے منصوبے گذارے والے ہونے چاہئیں۔

نیک صحبت کی بڑی برکت ہے:

پھر فرمایا: اپنے بڑوں کی نیک صحبت کی بڑی برکت ہوتی ہے۔ میں ہر جمعے اہتمام کرتا ہوں کہ اپنے شیخ کی مجلس میں حاضر ہو جاؤں۔ ایک دفعہ میں اپنے حضرت کی مجلس میں تھا میرے حضرت فرمانے لگے: تھوڑے بہت گناہوں کے جھونکے آتے رہتے ہیں جب بھی گناہ کا خیال آئے اپنے آپ کو فوراً کسی نہ کسی

نیک کام میں لگادیں۔"جتنا مصروف اتنا محفوظ"

حضرت مولانا قاری طیب صاحب رحمہ اللہ فرمانے لگے: "گناہوں سے نہ فوج بچا سکتی، نہ پولیس۔گناہوں سے بچانے والی چیز اللہ کا خوف اور ڈر ہے۔"

قرآن پاک کی کتنی آیات ہیں جن کا اختتام اس پر ہے" و اللہ خبیر بما تعملون، و اللہ علیم بذات الصدور "جو کچھ تم کر رہے ہو وہ ہمارے علم میں ہے۔

پھر فرمایا: ہمارے طلباء کے لیے تو گناہ سے بچنا مشکل ہی نہیں بس اللہ تعالیٰ نے جس نیک مقصد (حصولِ علم) میں قبول فرما رکھا ہے اس میں اپنے آپ کو اتنا کھپا دیں کہ کسی اور بات کی فرصت ہی نہ رہے۔

مدرسوں کی رونق روز افزوں:

مدرسوں میں طلبہ کی رونق پر بات کرتے ہوئے فرمایا: حضرت لاہوری رحمہ اللہ دورہ تفسیر کراتے تھے، جب حاضری لگاتے تو باقی جگہوں سے دور دراز کے طلبہ ہوتے تھے، لیکن لاہور کا کوئی طالب علم نہیں ہوتا تھا۔حضرت فرماتے تھے لاہوریو! مجھے تم سے کچھ نہیں چاہیے۔آؤ اللہ کا قرآن پڑھو۔ایک دفعہ حاضری لی تو اس میں ایک طالب علم لاہور کا بھی نکل آیا تو فرمانے لگے: لاہور والے بھی بیدار ہوگئے ہیں۔

طالب علمی میں ادھر ادھر کی فرصت نہیں ملنی چاہیے:

علم کا انہماک اور لایعنی اور بے فائدہ باتوں سے بچنے کی تلقین اور طلبہ کو سادگی اپنانے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ہمارے چوبرجی والے استاذ صاحب تھے۔ بہت سادہ انداز میں رہتے تھے، کپڑے کی ٹوپی ہوتی تھی۔ اکثر خاموش رہتے تھے تقریر نہیں کرتے تھے، سبق پڑھایا اور بس۔کبھی کبھار کوئی ایک آدھ جملہ بول دیا۔ یہ سب کچھ انہی کی برکت ہے۔

پھر فرمایا: ہمارے ہاں علماء کا دورہ ہوتا ہے اس میں بلوچستان کے ایک طالب علم آئے سامنے کوڑے والی جگہ پر بستر ڈالا۔اور جب دورہ ختم ہوا تو بستر اٹھایا اور واپس چل دیے، اپنے آپ کو لاہور (شہر) کی ہوا بھی نہیں لگنے دی۔

پھر فرمایا: یہ چوبرجی پارک میں سیارہ گاہ ہے، وہ ہمارے سامنے ہی بنی ہے، اس کے نگران مجھ سے بارہا کہنے لگے۔ آئیں آپ کو بھی دکھا دیں۔ میں نے کہا: کیا کروں میرے پاس دیکھنے کی فرصت ہی نہیں۔

پھر فرمایا: اگر گناہ کی بات نہ ہو تو گنجائش تو ہے لیکن میں کیا کروں میرے پاس اس کے لیے وقت نہیں ہے۔ میں برطانیہ گیا تو وہاں بھی بس مسجد سے گھر اور گھر سے مسجد یا کسی بیان کے لیے جانا ہوا تو چلے گئے۔

☆☆☆☆

مولانا مفتی عبید الرحمٰن، مردان

عقیدہ عصمتِ انبیاء

حضرت انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے معصوم ہونے کا مسئلہ ضروری نوعیت کے عقائد میں سے ایک ہے، فی الجملہ عصمت انبیاء کرام علیہم السلام پر تو امت کا اتفاق ہے البتہ اس کے بعض پہلو کے متعلق ماضی قریب میں کچھ غلط فہمیاں پیش آئیں جس کی وجہ سے یہ مسئلہ بحث ومباحثہ کا موضوع بنا اور جانبین سے اس پر بہت کچھ لکھا گیا، یہاں اسی مسئلہ کے متعلق کچھ معروضات پیش کی جاتی ہیں، جس سے امید ہے کہ مسئلہ کے تمام ضروری پہلو واضح ہو جائیں گے۔ان شاء اللہ۔

عصمت کا مفہوم:

عصمت کا اصطلاحی معنی کیا ہے؟ متعدد الفاظ کے ساتھ اس کی تعریف کی گئی ہے، تمام تعریفات میں قدرِ مشترک بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو ایسی استعداد ملے جس کی وجہ سے وہ قدرت واستطاعت کے باوجود گناہوں سے بچے، علامہ سید شریف جرجانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: العِصمة: ملكة اجتناب المعاصی مع التمكن منها. [التعریفات:۱۵۰] ’’گناہ کی قدرت حاصل ہونے کے باوجود اس سے بچنے کی قوت عصمت ہے۔‘‘

اس تعریف سے واضح ہوا کہ معصوم ہونے کے لیے دو باتیں ضروری ہیں: ۱۔گناہوں سے بچنا۔۲۔قدرت واستطاعت کا برقرار رہنا۔ پہلی بات تو ظاہر ہے کیونکہ عصمت کا معنی ہی یہی ہے اور دوسری بات اس لیے ضروری ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام قدرت وبشریت کے باوجود گناہوں سے رکتے ہیں جو ان کی امتیازی خصوصیت ہے، چنانچہ دیگر انسانوں کا گناہوں سے بچنا کوئی لازم نہیں ہے اور فرشتے گو گناہوں کا ارتکاب نہیں کرتے لیکن ان میں گناہوں کے اسباب ودواعی بھی موجود نہیں ہوتے، یہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی قدسی صفات جماعت ہے جو تمام تر اسباب ودواعی مہیا ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے رکتے ہیں اور ان کا گناہوں سے رکنا کوئی وقتی بات یا امکان کے درجہ میں نہیں ہوتی ہے بلکہ دائمی اور لازمی ہے۔

عقیدہ عصمت کی بنیاد:

انبیاء کرام علیہم السلام کا معصوم ہونا اور اس کا اعتقاد رکھنا کیوں لازم ہے؟ عموماً معتزلہ کے نزدیک اس کی بنیاد عقل پر ہے کہ اگر اِن حضرات سے بھی کفر یا گناہ کا صدور ممکن ہو تو ان پر یہ اعتماد نہیں کیا جاسکتا کہ

اپنے قول وفعل سے جو باتیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق تک پہنچاتے ہیں، وہ اس میں سچے ہیں یا نہیں؟ جب کچھ کاموں میں نفس وشیطان کے وساوس کی وجہ سے بہک سکتے ہیں تو باقی باتوں میں ان پر سو فیصد اعتماد کیونکر کیا جاسکتا ہے؟ یہ عام معتزلہ کا مسلک ہے، اس کے مقابلے میں اکثر اشاعرہ کا موقف یہ ہے کہ عصمتِ انبیاء کرام کی بنیاد عقل پر نہیں ہے یعنی عقلاً معصوم ہونا کوئی لازم نہیں ہے لیکن شرعی دلائل سے چونکہ یہ بات ثابت ہوچکی ہے اس لیے اس کا اعتقاد رکھنا لازم ہے۔

قاضی شوکانی صاحب وغیرہ نے بعض اشاعرہ کے حوالہ سے نقل فرمایا کہ عقل ونقل دونوں کے لحاظ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا معصوم ہونا ضروری ہے۔[ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول :۹۸/۱] اور حقیقت بھی یہی ہے کہ درج بالا دونوں باتوں کے ملانے میں کوئی منافات نہیں ہے اور دونوں ہی بنیادوں پر یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے، اکثر اشاعرہ نے عقل کو بنیاد شاید اس لیے قرار نہیں دیا کہ ان کے نزدیک کسی چیز کا شریعت کے نظر میں حُسن یا قبیح ہونا عقلی نہیں ہے بلکہ شرعی ہے، اس لیے اس تعبیر کو اختیار کرنے سے احتراز فرمایا۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے ان دونوں باتوں میں ایک اور طرح سے تطبیق دی ہے کہ کفر، اللہ تعالیٰ کے ذات کے بارے میں جہالت، تبلیغِ دین میں غلطی، کوتاہی یا جہالت سے معصوم ہونا تو عقلی اور نقلی دونوں قسم کے دلائل سے ثابت ہے، لیکن تبلیغی اور دینی امور کے علاوہ ذاتی کاموں میں گناہ سے معصوم ہونے کی بات عقلاً لازم نہیں ہے بلکہ دلیل نقلی ہی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔[المستصفیٰ من علم الأصول:۲۷۴/۱]

دلیل عصمت:

عقلی ونقلی، ہر لحاظ سے عصمت انبیاء کا لازم ہونا معلوم ہوتا ہے جس کی طرف کچھ اشارہ سابقہ عنوان کے تحت کیا گیا، امام رازی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر اپنے رسالہ ''عصمۃ الانبیاء'' میں اس مسئلہ کے پندرہ مختلف دلائل ذکر فرمائے ہیں، یہاں سب کی تفصیل ممکن نہیں، صرف ایک دو دلائل کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

نقلی دلیل: آیت کریمہ ''لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ .[البقرۃ:۱۲۴]''۔اس آیت سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ معصیت کا مرتکب ظالم ہوتا ہے اور آیت کے مطابق ظالم کو عہدہ امامت حاصل نہیں ہوسکتا، اَب اگر امامت سے نبوت مراد ہو تو عبارۃ النص کے طور پر ظالم کو نبوت نہیں مل سکتی، اور اگر نبوت کے علاوہ خلافت وامامت مقصود ہو تو دلالۃ النص کے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ نبوت ظالم کو نہیں مل سکتی، کیونکہ بلاشبہ نبوت امامت سے بڑھ کر مرتبہ ہے، جب امامت کا منصب ظالم کو نہیں مل سکتا تو نبوت بھی نہیں مل سکتی۔

وہ تمام آیات واحادیث بھی عصمت انبیاء کے ضروری ہونے کی دلیل ہیں جن میں حضرات انبیاء

کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی اقتدا کرنے کا حکم دیا گیا، کیونکہ اگر انبیاء کرام علیہم السلام معصوم نہ تھے اور خدانخواستہ معاصی کے مرتکب تھے تو غیر مشروط پر ان کی اقتدا کرنے کا حکم نہ دیا جاتا، ورنہ تو معاصی میں بھی اقتداء کرنے کا حکم دیا گیا، جبکہ یہ شرعاً بھی محال ہے، کیونکہ قرآن وسنت میں کہیں معصیت کا حکم نہیں دیا جاسکتا، اور ساتھ عقلاً بھی نا قابل فہم ہے کیونکہ معصیت تو نام ہی شریعت کے حکم توڑنے کا ہے، جب شریعت میں اس کے کرنے کا حکم دیا گیا تو معصیت کہاں رہا؟

عقل کی روشنی میں:

عقلی لحاظ سے نبوت کے لیے معصوم ہونا کیوں لازم ہے؟ اس کی ایک بے تکلف وجہ تو سابقہ عنوان کے تحت ذکر کی گئی، ساتھ ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ عہدہ نبوت ہو یا مقام رسالت، حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتخاب وچناؤ کے نہایت بلند مناصب ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کے پیغامات واحکامات بندگان خدا تک پہنچائے جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس میں اگر ایک طرف بے پناہ عقل وفہم کی ضرورت ہے تو ساتھ نہایت امانت ودیانت بھی لازم ہے، خود اپنی ذات کی حد تک بھی اور اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچانے میں بھی، ورنہ نعوذ باللہ پیغام رسانی میں خیانت کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا صحیح پیغام انسانوں تک نہیں پہنچ پائے گا اور ذاتی زندگی کے اندر خیانت یا بے راہ روی اور معاصی کے ارتکاب کرنے کی صورت میں ان کی بات نا قابلِ یقین بن جائیگی جس سے سارے دین کی بنیاد منہدم ہو جائے گی اور ساتھ یہ نقصان بھی ہوگا کہ خود ان کی بات میں تاثیر کی کیفیت برقرار نہیں رہے گی، نیز ان کی اقتداء کرنے کا حکم دینا بھی غلط ہو جائے گا اور گمراہ لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر انگلی اٹھانے کا موقع ملے گا، جبکہ یہ سارے لوازم بداہۃً غلط ہیں، لہٰذا انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا معصوم ہونا ضروری ہے۔

دنیا میں بھی روزمرّہ کا مشاہدہ ہے کہ عقل مند لوگ کوئی بڑا اور کلیدی نوعیت کا عہدہ اسی شخص کے سپرد کرتے ہیں جس پر ہر لحاظ سے اعتماد ہوتا ہے کہ وہ میری مخالفت بھی نہیں کرے گا اور اس عہدہ کے تقاضے بھی اچھی طرح نبھا سکے گا، یہی حال منصب نبوت کا بھی ہے، البتہ انسان کے انتخاب واعتماد میں بسا اوقات غلطی بھی ہو جاتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا علم چونکہ کامل اور محیط ہے، اس لیے وہاں ایسی غلطی کا تصور نہیں ہوسکتا، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ ایک جگہ بیان فرماتے ہیں:

> ”دنیا کے تقرّب اور خواصی کے لیے سراپا اطاعت ہونا ضروری ہے، اپنی مخالفوں کو اپنی بارگاہ میں کون گھسنے دیتا ہے اور مسند قرب پر کون قدم رکھنے دیتا ہے؟ اس لیے یہ ضرور ہے کہ وہ مقرب جن پر اسرار ومافی الضمیر آشکارا کیے جائیں یعنی اصول احکام سے اطلاع دی جائے، ظاہر وباطن میں مطیع ہوں، مگر جس کو خداوند علیم وخبیر باعتبار ظاہر وباطن مطیع وفرمانبردار سمجھے گا، اس میں غلطی ممکن نہیں۔“ [حجۃ الاسلام، مجموعہ

رسائل قاسمیہ،ص:۴۳۳]

عصمت کن چیزوں سے؟

۱۔کفروشرک سے معصوم ہونے کا اعتقاد لازم ہے،جن شخصیات کونبوت یا رسالت کے عظیم منصب سے نوازا جاتا ہے وہ کبھی کفروشرک کے قریب نہیں جاتے،اور ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ کسی نبی سے کفر یا شرک صادر ہوجائے (نعوذ باللہ)،اس بات پر امت کا اتفاق ہے،البتہ بعض شیعہ کے خیال میں بطور تقیہ کفر کا صادر ہونا ممکن ہے۔(لیکن چونکہ ان کی زعم کے مطابق ایسا کرنا کفر نہیں ہے اس لیے کفر سے معصوم ہونے کی بات متفق ہے)۔

۲۔تبلیغ ورسالت کے باب میں جھوٹ سے معصوم ہونے کا عقیدہ رکھنا بھی لازم ہے اور ایسا نہیں ہوسکتا کہ کسی نبی سے دینی امور کے تبلیغ واشاعت میں جھوٹ صادر ہوجائے۔اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۳۔ذاتی افعال کی حد تک کسی نبی سے (قصداً) گناہ کبیرہ کا صادر ہونا ممکن ہے یا نہیں؟ تقریباً تمام اہلِ حق کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے قصداً گناہ کبیرہ صادر نہیں ہوسکتا، بلکہ بہت سے اصولیین نے اس پر امت کا اجماع بھی نقل فرمایا ہیں۔

۴۔ایسے صغیرہ گناہ جن سے کمینہ پن اور پستی ظاہر ہوتی ہو اور ذلت ونفرت پیدا ہوجانے کے موجب ہوں،مثلاً چھوٹی چھوٹی چیزوں کو چوری کرنا،ان جیسی باتوں سے بھی انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہیں،اس پر بھی امت کا اتفاق ہے۔

۵۔وہ صغیرہ گناہ جو ذلت ورسوائی کا ذریعہ نہ ہو،اس کے متعلق اختلاف ہے،بعض اہل علم کے نزدیک اس کا صدور ممکن ہے،جبکہ اکثر اہلِ علم کے نزدیک حضرات انبیاء کرام کی ہستیاں اس سے بھی معصوم ہیں کہ قصداً صغیرہ گناہ کا ارتکاب کریں،اہل السنۃ والجماعۃ کے ائمہ،امام ابو منصور ماتریدی اور امام ابوالحسن اشعری رحمہم اللہ کا یہی موقف ہے کہ جس چیز پر معصیت اور گناہ کا اطلاق ہوتا ہے انبیاء کرام اس سے معصوم ہیں،البتہ اگر سہو یا غیر ارادی طور پر بسا اوقات ایسا کچھ صادر ہوجائے تو بعید نہیں،چنانچہ علامہ صابونی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

اتفق اهل السنّة والجماعة أنّهم معصومون عن الكفر والكبائر، وقال بعضهم: يجوز منهم الصغائر. وقال بعضهم: لانُطلق على فعلهم اسم الذنب صغيرا كان أو كبيرا ولكن نجوّز منهم الزّلل. وقال الشّيخ ابوالمنصور (الماتريدى) رحمه الله: يجوز منهم ترك الأفضل لاترك المامور وإتيان المنهى. [المنتقىٰ من عصمة الانبياء، للإمام نور الدين الصابونى :۲۹] ’’اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کا کفر اور کبائر سے پاک ہونا متفقہ مسئلہ ہے،بعض علماء کے نزدیک انبیاء

علیہم السلام سے صغیرہ گناہ کا سرزد ہونا ممکن ہے، جبکہ بعض دیگر کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کے کسی کام کو صغیرہ یا کبیرہ گناہ کہنا درست نہیں، البتہ ان سے لغزش کا صادر ہونا ممکن ہے، امام ابومنصور ماتریدی رحمہ اللہ کی نزدیک انبیاء علیہم السلام سے خلاف اولی کام کا صادر ہونا ممکن ہے، البتہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی یا ناجائز کام کا کرنا ان سے نہیں ہوسکتا“۔

علامہ عبدالعزیز بخاری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

قال الشيخ أبو الحسن الأشعری رحمه الله فی عصمة الأنبياء وليس معنی الزلة أنهم زلوا عن الحق إلی الباطل وعن الطاعة إلی المعصية ولكن معناها الزلل عن الأفضل إلی الفاضل والأصوب إلی الصواب و كانوا يعاقبون لجلال قدرهم ومنزلتهم ومكانتهم من الله تعالی.[كشف الأسرار شرح أصول البزدوی، باب أفعال النبی :۲۰۰/۳] ”عصمت انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ ان حضرات کی لغزش کا ہرگز یہ معنی نہیں کہ وہ حق کی جگہ باطل یا فرمانبرداری کی جگہ نافرمانی اختیار کریں، بلکہ لغزش کا معنی ہے زیادہ بہتر کام کے مقابلہ میں کم بہتر کام اختیار کرنا، ہاں اللہ کے ہاں مقرب اور عالی شان مقام ومرتبہ پر فائز ہونے کی وجہ سے اس قسم باتوں پر بھی انہیں تنبیہ کی جاتی ہے۔“

امام رازی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے جس میں مسئلہ کی تقریر کرنے پر دسیوں دلائل ذکر فرمائے ہیں، اس میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

والذی نقول: إن الأنبياء عليهم الصلاة والسلام معصومون فی زمان النبوة عن الكبائر والصغائر بالعمد. أما علی سبيل السهو فهو جائز.[عصمة الأنبياء للإمام الرزای:۴۵] ”ہماری رائے یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نبوت کے بعد قصداً ہر قسم صغیرہ کبیرہ گناہ سے پاک ہوتے ہیں، البتہ ان سے غلطی کے طور پر کچھ سرزد ہونا ممکن ہے“۔

ایک دوسری کتاب ”المحصول“ میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

والذی نقول به أنه لم يقع منهم ذنب علی سبيل القصد لا صغيرا ولا كبيرا، أما السهو فقد يقع منهم لكن بشرط أن يتذكروه فی الحال وينبهوا غيرهم علی أن ذلك كان سهوا.[المحصول للرازی:۲۲۵/۳] ”ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے قصداً صغیرہ یا کبیرہ گناہ سرزد نہیں ہوسکتا، البتہ غلطی سے کچھ صادر ہونا ممکن ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اس پر بھی انہیں فوراً تنبیہ کی جاتی ہے، اور دوسروں پر بھی واضح کیا جاتا ہے کہ یہ کام ان حضرات سے غلطی کے طور پر صادر ہوا تھا (تاکہ لوگ اس قسم خطا میں ان کی اتباع نہ کریں)“

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے بڑی تفصیل سے اس پر گفتگو فرمائی ہے اور جن اہل علم کے نزدیک صغائر کا صدور ممکن ہے، ان کے جواب کے لیے ایک مستقل باب باندھا ہے جس میں ان کے مستدلات کے جوابات ذکر کیے ہے۔[الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، الباب الاول،الفصل الثالث عشر، الرد علی من أجاز علیهم من الصغائر:۲۳۵/۳]

علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

واختلف فيه فقيل تجب عصمتهم من الكبائر مطلقا دون الصغائر عمدا، والمختار العصمة عنهما لا الصغائر غير المنفّرة خطأ أو سهوا.[المسامرة فی العقائد المنجیة فی الآخرة:۱۹۵] ”عصمت انبیاء کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے: بعض کے نزدیک کبائر سے وہ بالکل محفوظ ہوتے ہیں اسی طرح صغیرہ گناہ بھی قصداً ان سے صادر نہیں ہوسکتا۔ تاہم درست بات یہی ہے کہ وہ صغیرہ اور کبیرہ ہر قسم گناہ سے پاک ہوتے ہیں البتہ جن صغیرہ گناہوں سے آدمی قابل نفرت نہیں بنتا وہ بھولے سے یا غلطی سے صادر ہوجانا ممکن ہے“۔

علامہ قاضی عیاض، علامہ عبد العزیز فرہاروی رحمہ اللہ وغیرہ بعض محققین کے نزدیک تو سہواً بھی صغائر کے صادر ہونے کے قائل نہیں ہیں، چنانچہ امام تاج الدین سبکی اپنا اور اپنے والد امام تقی الدین سبکی رحمہ اللہ کا موقف ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

والذی نختاره نحن وندين الله تعالى عليه انه لا يصدر عنهم ذنب لا صغير ولا كبير لاعمدا ولا سهوا وان الله تعالى نزه ذواتهم الشريفة عن صدور النقائص وهذا هو اعتقاد الشيخ الإمام الوالد أيده الله وعليه جماعة منهم القاضی عياض بن محمد اليحصبی.[الإبهاج فی شرح المنهاج، الكتاب الثانی فی السنة، الباب الأول فی أفعاله ﷺ :۲۶۳/۲] ”ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے کسی قسم گناہ صغیرہ یا کبیرہ قصداً یا سہواً کسی طرح صادر نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے ان کے پاک نفوس کو ہر قسم عیب سے پاک پیدا فرمایا ہے، یہ میرے والد ماجد اور اکثر علماء کرام جیسے قاضی عیاض وغیرہ کی رائے ہے۔“

علامہ فرہاروی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

للمتكلمين فيها كلمات غير مرضية، والمختار عندی أنّهم معصومون عن وساوس الشّيطان وعن الكذب والكبائر والصّغائر عمدا وسهوا.[مرام الكلام فی عقائد الاسلام، الكلام فی عصمة الأنبياء: ۱۹۱ ـ ولاحظُ ”الشفاء“ فصل فی الرد علی من أجاز عليهم الصغائر :۱۵۵/۲] ”متکلمین کا عصمت انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بعض غلط آراء ہیں، ہمارے نزدیک

وہ ہر قسم شیطانی وساوس جھوٹ صغیرہ کبیرہ گناہ سے خواہ قصداً ہو یا سہواً پاک ہوتے ہیں‘‘۔
یہی بات امام قرطبی وغیرہ مفسرین نے بھی ذکر فرمائی ہے۔

واضح رہے کہ درجِ بالا تفصیل کے مطابق بہت سے اہل حق علماء کے نزدیک سہو ونسیان کی وجہ سے صغیرہ گناہ کا صادر ہونا ناممکن نہیں ہے، لیکن قصد وارادہ کے بغیر جب کوئی کام صادر ہوتا ہے تو اس پر گناہ کا اطلاق نہیں ہوتا، اس لیے غلطی اور بھول کی وجہ سے صادر ہونیوالے افعال اس بحث سے خارج ہیں۔

عصمت کی ابتداء:

علم کلام اور اصولِ فقہ کی بعض کتابوں میں یہ بحث ذکر کی جاتی ہے کہ عصمت کا وقت کب شروع ہوتا ہے نبوت سے پہلے یا اس کے بعد؟ یعنی کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ نبوت سے پہلے کسی نبی سے درجِ بالا ’’موانع عصمت‘‘ میں سے کوئی مانع صادر ہوجائے یا نبوت ملنے سے پہلے بھی ایسا نہیں ہوسکتا؟ اس بحث کی اہمیت وافادیت تو اپنی جگہ، لیکن بہت سے محقق اُصولیین اس بحث کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں، کیونکہ نبوت ورسالت سے پہلے شریعت نازل نہیں ہوتی جس کے ترازو میں کسی کے قول وفعل کو تول یہ نتیجہ نکالا جائیکہ یہ کام جائز ہے یا ناجائز، ایسا کرنا تو نبوت ملنے اور تکلیفی احکام کے نازل ہوجانے کے بعد ہی ممکن ہے، تاہم کفر وشرک اور موجبِ ذلت ونفرت امور سے اجتناب بہر حال لازم ہے۔

علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

قد اختلف فی عصمتهم من المعاصی قبل النبوة فمنعها قوم وجوزها آخرون والصحیح إن شاء الله تنزیههم من كل عیب وعصمتهم من كل ما یوجب الریب فكیف والمسألة تصورها كالممتنع فإن المعاصی والنواهی إنما تكون بعد تقرر الشرع. [الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، مع حاشیه الشمنی، القسم الثالث، الباب الأول:۲/۱۴۷]

’’نبوت سے پہلے انبیاء علیہم السلام سے گناہ کے سرزد ہونے کے بارے میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک ناممکن جبکہ دیگر بعض کے نزدیک ممکن ہے، البتہ درست بات یہ ہے کہ وہ ہر قسم عیب اور شک پیدا کرنے والی بات سے پاک ہوتے ہیں ایسا کیوں نہیں ہوگا؟ جبکہ اس مسئلہ (معاصی صادر ہونے) کا تصور بھی گویا نہیں ہوسکتا کیونکہ معاصی اور منہیات تو شریعت آنے کے بعد ہوتے ہیں‘‘۔

شیخ محمد عوامہ زید مجدہم نے مصر کے مشہور حنفی عالم علامہ بخیت مطیعی رحمہ اللہ کے حوالہ سے یہ موقف کافی تفصیل سے نقل کر کے خود بھی اسی طرف رجحان ظاہر فرمایا ہے۔[تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: حجیة أفعال الرسول، للشیخ محمد عوامة:۱۶]

امکان اور وقوع کا فرق:

علم کلام کی بہت سی کتابوں میں جہاں ’’مسئلہ عصمت‘‘ کے متعلق متعدد اقوال نقل کیے جاتے ہیں،

وہاں بعض اہل حق کا بھی یہ موقف بھی نقل کیا جاتا ہے کہ کبائر کا صادر ہونا ممکن ہے، بعض صغائر کے عمداً صادر ہونے کے بھی قائل ہیں، اس کے متعلق ایک تو جمہور اہل حق کے راجح قول ہی کو ملاحظہ کر لینا چاہئے اور ساتھ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ یہ اختلاف امکان کے متعلق ہے یعنی کیا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے ان باتوں کا صادر ہونا ممکن ہے یا نہیں؟ عملی طور پر صادر ہونے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

لہٰذا اگر ان مختلف اقوال میں سے جمہور کے قول کو چھوڑ کر بعض ان لوگوں کا قول بھی اختیار کیا جائے جو کبائر یا صغائر کے امکانِ صدور کے قائل ہیں تو بھی عملی طور پر ''عصمتِ انبیاء کرام'' پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا اور کسی کے بات کے ممکن ہونے سے اس کا واقع ہونا لازم نہیں آتا، بلکہ وقوع کے لیے مستقل دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، جبکہ انبیاء کرام علیہم السلام سے طہارت وعصمت کے علاوہ کچھ منقول ہی نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لـمُ يعبد الصنم ولـم يشرك بالله طرفة عين ولـمُ يرتكبُ صغيرة ولا كبيرة قطُّ. ''انہوں نے نہ بتوں کی پوجا کی نہ ذرا برابر شرک یا صغیرہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا۔''

[الفقه الأكبر مع شرح الإمام على القارى:۱۸۱]

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ ''عصمت انبیاء'' کے متعلق مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد، علامہ لقانی کی شرح ''اتحاف المرید'' سے نقل فرماتے ہیں:

هـذا الاختـلاف إنّـمـا هـو فـى جواز الوقوع وعدمه، لا فى الوقوع نفسه.[نسمات الأسحار :۲۰۶] ''یہ اختلاف اس بارے میں ہے کہ ان سے گناہ کا صادر ہونا ممکن ہے یا نہیں، گناہ کے سرزد نہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے''۔

شرح عقائد کی عبارت کا تجزیہ:

ہمارے ہاں درسِ نظامی میں چونکہ بنیادی طور پر عصمت انبیاء کا مسئلہ ''شرح عقائد'' ہی میں پڑھایا جاتا ہے اور اس کے علاوہ علم کلام کی کوئی مستقل کتاب داخلِ درس نہیں ہے، اس لیے عموماً نظریہ وعقیدہ وہیں سے اختیار کیا جاتا ہے، وہاں جو مذہب راجح کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے، اسی کو عقیدہ سمجھا جاتا ہے، اکثر مسائل کی حد تک یہ بات درست بھی ہے کیونکہ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے اس کتاب کو ترتیب دیا تھا، شاید اسی کی وجہ ہے کہ علمِ کلام کی کتابوں میں اس کو ایک نہایت مستند کتاب کی حیثیت حاصل ہے۔ تاہم ایک آدھ مسئلہ میں مرجوح اقوال بھی اس میں موجود ہیں جس پر جگہ جگہ شارحین تنبیہ بھی فرماتے ہیں، خصوصاً علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمہ اللہ کہ وہ بڑے التزام کے ساتھ ایسی جگہ کی نشاندہی کرتے ہیں، مسئلہ عصمت انبیاء کے متعلق بھی ایسا ہی ہوا، چنانچہ ''شرحِ عقائد'' کی عبارت ہے:

وفی عصمتهم عن سائر الذنوب تفصيل: وهو أنّهم معصومون عن الكفر قبل الوحی وبعده بالإجماع، وكذا عن تعمّد الكبائر عند الجمهور خلافا للحشوية، وإنّما الخلاف فی أنّ امتناعه بدليل السمع أو العقل، وأمّا سهوا فجوّزه الأكثرون، أمّا الصغائر فيجوز عمدا عندالجمهور خلافا للجبائی وأتباعه، ويجوز سهوا بالإتّفاق إلّا ما يدلّ علی الخسّة.

''انبیاء کا تمام گناہوں سے محفوظ ہونے کے بارے میں کچھ تفصیل ہے، جس کا خلاصہ ہے کہ نبوت ملنے سے پہلے اور بعد وہ کفر اور قصداً کبیرہ گناہ سے بہر حال محفوظ ہوتے ہیں، چنانچہ علماء کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ان سے گناہ کا بالکل سرزد نہ ہونا یہ عقل کی بنیاد پر ہے یا نص کی وجہ سے؟ البتہ غلطی میں ان سے گناہ کا سرزد ہونا بعض کے نزدیک ممکن ہے، اسی طرح قصداً صغیرہ گناہ کا سرزد ہونا بھی جمہور علماء کے نزدیک ممکن ہے، البتہ جبائی اور ان کے متبعین کے نزدیک ممکن نہیں، البتہ جن صغیرہ گناہوں سے کمینہ پن معلوم نہیں ہوتا ان کا صادر ہونا بالاتفاق ممکن ہے۔'' [شرح العقائد النسفية مع شرحه النبراس:۴۵۶]

اس عبارت کی وجہ سے بعض اہل علم نے بھی یہ موقف اختیار کیا کہ سہواً کبائر کا صدور حضرات انبیاء کرام سے ممکن ہے اور صغائر کا تو قصداً بھی صادر ہونا ممکن ہے، اگر یہ بات یہی تک ٹھہرتی ہے تو پھر بھی کچھ قابل برداشت ہوتی، لیکن ایک تو انداز بیان میں بعض اوقات حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے مقام و منصب کے ساتھ جو کچھ ادب و شائستگی کی پابندی کر لینی ضروری ہے، اس کی رعایت نہیں رکھی جاتی، دوسری بڑی غلطی یہ کی جاتی ہے کہ امکان اور وقوع کے درمیان فرق کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، اور ساتھ یہ زیادتی بھی کی جاتی ہے کہ جن قدیم و معاصر علماء کے نزدیک کبائر کا صدور مطلقاً اور صغائر کا عمداً یا مطلقاً صادر ہونا ممکن نہ ہو، ان پر نکیر کی جاتی ہے اور ان کو طرح طرح کے الزامات دیئے جاتے ہیں جو کہ کسی اجتہادی مسئلہ میں قطعاً درست نہیں ہے۔

خیر، علامہ عبد العزیز فرہاروی وغیرہ شارحین نے یہاں بھی بجا طور پر یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ اس عبارت میں دو باتیں جمہور اہلِ اشاعرہ کے موقف کے مطابق نہیں ہیں: الف: کبائر کا سہواً صادر ہونا ممکن ہے۔ ب: صغائر عمداً بھی صادر ہونا مانع عصمت نہیں ہے۔ (ملاحظہ فرمائیں: النبراس: ۴۵۶، مکتبہ بشریٰ)

نصوص کا محمل:

جن آیات یا احادیث میں بعض انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے متعلق ایسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو گناہ یا معصیت کے ارتکاب کرنے پر دلالت کرتے ہیں، ان جیسی نصوص کے متعلق اہلِ حق کا ہمیشہ سے یہ ضابطہ رہا ہے کہ اگر قابل اعتماد طریقے سے ایسی کوئی نص ثابت نہ ہو جائے تب تو اس کو رد کریں گے اور اس کی وجہ سے مسئلہ عصمت انبیاء کرام کے بارے میں کوئی اشکال پیدا نہیں ہوگا، لیکن اگر کہیں کسی قابلِ اعتماد طریقے سے ایسی کوئی نص ثابت ہو جائے جیسا کہ خود قرآن کریم نے سیدنا حضرت آدم علیہ

الصلاۃ والسلام یا دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے بارے میں ’’عصیان‘‘ کا لفظ استعمال فرمایا ہے تو اس میں کوئی ایسی تاویل کرنی ضروری ہے کہ نص کا انکار بھی لازم نہ آئے اور کسی نبی کی طرف گناہوں کی نسبت بھی نہ ہونے پائے۔

مثلاً یہ تاویل کی جائے کہ نبوت سے پہلے غلطی و بھول سے کی وجہ سے ایسا ہوا تھا، یا جن علماء کے نزدیک عمداً یا سہواً صغیرہ کا صدور ممکن ہے وہ اس کو صغیرہ پر محمول کریں کہ ہے صغیرہ، لیکن حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی بلند شان اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ قربت و عبدیت کاملہ کے تعلق کی وجہ سے ان کو ایک طرح کی تنبیہ کی گئی ہے، اور زیادہ مناسب توجیہ یہ ہے کہ ایسی نصوص کو ترک افضل پر حمل کیا جائے، اگر کہیں ایسا نہ ہو سکے تو سہو ونسیان کی وجہ سے صغیرہ پر حمل کر دیا جائے، دونوں کے مآل کار میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے لیکن یہ تعبیر زیادہ انسب اس لیے ہے کہ اس میں کسی نبی کی طرف ظاہری گناہ کی نسبت لازم نہیں آتی، گو نسیان کی وجہ سے صغیرہ کا ارتکاب بھی گناہ نہیں رہ پاتا، علامہ صابونی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ومع ذلك الأولى أن لا نطلق هذة اللفظة فى حقّهم كى لا يسبق إلى أوهام الخلق ما تعارفوا من اسم الذنب. [المنتقیٰ من عصمة الانبياء :۳۱] ’’بہتر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اس قسم الفاظ بھی استعمال نہ کیے جائیں جس سے لوگوں کے ذہن میں انبیاء سے گناہ کا وہم پیدا ہو۔‘‘

امام شاطبی رحمہ اللہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے ’’قتل قبطی‘‘ والے واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ جب اہل سنت کا اتفاق ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے کبیرہ گناہ صادر نہیں ہوتا اور صغائر گناہ کے صادر ہونے نہ ہونے میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن بہر حال راجح یہی ہے کہ صغیرہ بھی صادر نہیں ہوتا تو اس سے یہ بات خود بخود ثابت ہو جاتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ فعل گناہ نہیں تھا، پھر یہ تھا کیا؟ اس کے متعلق اختیار ہے کوئی بھی تاویل اختیار کی جائے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ تاویل آیت کریمہ کے ظاہر کے خلاف ہو نہ ہی شان نبوت کے منافی ہو۔[الموافقات، كتاب الأدلة الشرعية: ۱۲/۴]

باقی رہی بات ایسی تمام نصوص کی تاویل وتفسیر کی، جو بظاہر عصمت انبیاء کرام کے خلاف معلوم ہوتی ہیں، تو اس کے متعلق مطولات کی طرف رجوع کرنا مناسب ہے، امام رازی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ’’عصمة الانبياء‘‘ میں بھی خاصا مواد جمع فرمایا ہے، اسی طرح علامہ شمس الحق افغانی صاحب رحمہ اللہ کے مختصر رسالہ ’’عصمت انبیاء‘‘ میں بھی ان نصوص کی تفسیر و تاویل کا کافی ذخیرہ جمع کیا گیا ہے، ان دونوں کتابوں کی طرف مراجعت کی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فہم سلیم اور صراطِ مستقیم نصیب فرمائیں۔

بندہ عبید الرحمٰن، دار الافتاء دار العلوم الرحمانیہ، مردان ۲۶ محرم ۱۴۴۱ھ

مولانا مفتی جمیل الرحمٰن، چکوال
مجاز بیعت توبہ: قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

کتاب ''علماء دیوبند کے خلاف سازشیں'' پر تقریظ

بسم الله الرحمان الرحيم. نحمده و نصلي علىٰ رسوله الكريم. أما بعد!

محبّ ِمکرم حضرت مولانا عبدالرحیم چاریاری مدظلہم سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے چند ایسے پہلوؤں اور عنوانات پر کام لیا ہے، جن کے بارے میں عموماً علماء کرام مصلحت اور رَواداری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں باطل کو اپنے قدم جمانے، پختہ کرنے اور اپنے پَر، پُرزے نکالنے کا بھرپور موقع مل جاتا ہے۔ اور پھر حق نظروں سے اوجھل ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ حالانکہ کسی بھی منکر اور بدعت کے بارے میں مداہنت اختیار کرنا خصوصاً اِس زمانے میں انتہائی خطرناک ہے۔ کیونکہ اِس سے عوام کی نظروں سے نہ صرف اسلافِ اہل السنۃ والجماعۃ کا حقیقی مسلک پوشیدہ اور مشکوک ہو جاتا ہے بلکہ صحیح مسلک کی راہ نمائی اور نشاندہی کرنے اور غلط مسلک کی تردید کرنے والا بھی' ناواقف عوام کی نظروں میں ناپسندیدہ ٹھہرتا ہے۔ یہی باطل کی کامیابی کا پہلا زینہ ہوتا ہے۔

لیکن اگر کہیں یہ صورتِ حال پیدا ہو جائے تو پھر دوٹوک انداز میں حق کی وضاحت اور واضح طور پر باطل کی تردید کرنا اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ لیکن بعض لوگ عوام کی ناپسندیدگی کے خوف سے دوٹوک انداز میں حق وباطل کے درمیان فرق کرنے کے بجائے درمیانہ راستہ اختیار کر لیتے ہیں، یعنی عوام میں مقبول مگر غلط موقف اختیار کرنے والی ''شخصیات'' کی رعایت میں حقائق سے چشم پوشی کر جاتے ہیں۔ جس سے مسلکی اور دینی اعتبار سے از حد نقصان ہوتا ہے۔

اِس لیے بندہ کی علماء کرام کی خدمت میں مؤدبانہ گزارش ہے کہ عوام تو عوام ہیں، اُن کو جو ذہن آپ دیں گے، وہ اُسے قبول کریں گے۔ اہل علم کی شان یہ نہیں ہے کہ عوام کا مزاج دیکھ کر دین کو اُس کے مطابق ڈھالنا شروع کر دیں۔ بلکہ عوام کی پسند ناپسند اور عوام میں مقبولت کے معیار سے بلند ہو کر شریعت کی پسند ناپسند اور عنداللہ مقبولیت کو معیار بنا کر دین کی اشاعت وحفاظت کا فریضہ سرانجام دیں۔ اور باطل

اَفکار پھیلانے والی ’’شخصیات‘‘ کے بجائے ’’صحیح مسلک‘‘ کو ترجیح دیتے ہوئے بلاخوف لومۃ لائم حق کو واضح فرمائیں۔اکابر اہل سنت دیوبند کی سیرت میں یہ پہلو بہت نمایاں ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کے تلمیذ وخلیفہ مجاز، ہمارے حضرت قائد اہل سنت وکیل صحابہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ تعالیٰ کی تو ساری زندگی اِسی سے عبارت تھی۔خود حضرت مدنی رحمہ اللہ کی زندگی کا مطالعہ بھی یہی سبق دیتا ہے۔اور یہ درس اُن کو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ وغیرہ اکابر سے ملا تھا۔گویا یہ اہل حق کا شیوہ اور طریقہ ہے۔لہٰذا اَپنے آپ کو دیوبندی کہلانے والے اہل علم کا یہ فرض ہے کہ وہ بزرگانِ دیوبند کے نقش قدم پر چلتے ہوئے پوری قوت سے منکرات کے آگے بند باندھیں۔اور اِس سلسلے میں کسی رُو رِعایت سے کام نہ لیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اکابر اہل سنت کے انداز میں صحیح مسلک کی اشاعت اور حفاظت کی توفیق عنایت فرمائیں۔

محبّ ِمکرم مولانا عبدالرحیم چاریاری مدظلہم کی مرتب کردہ کتاب ’’اکابر اہل سنت کا حقیقی مسلک ومشرب المعروف: تحفظ عقائد اہل سنت‘‘ اور اُن کے بعض دیگر رسائل اور زیر نظر مجموعہ سب اِسی مبارک سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔جس میں انہوں نے اکابر اہل سنت دیوبند کے حقیقی مسلک ومشرب کی اشاعت اور حفاظت کا فریضہ احسن طریقے سے انجام دیا ہے۔

بالخصوص مولانا چاریاری کی موجودہ تحریرات میں اُن کا اندازِ تحریر بھی معتدل اور مناسب ہے۔حالانکہ مولانا چاریاری مدظلہم کا زیر نظر مجموعہ‘ جس کتاب کے جواب کے طور پر مرتب کیا گیا ہے، اُس کتاب کے مؤلف نے جو اندازِ گفتگو اختیار کیا ہے، وہ اہل علم اور خصوصاً اہل تصوف کے شایان شان ہرگز نہیں۔جوابی وار کے طور پر مولانا چاریاری بھی ایک حد تک سخت اندازِ تحریر اختیار فرماتے تو اس کی گنجائش تھی، لیکن اللہ تعالیٰ اُن کو جزائے خیر نصیب فرمائے، اُنہوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش فرمائی ہے کہ سنجیدگی اور متانت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

اللہ تعالیٰ اُن کی جملہ کاوشوں کو قبول فرما کر اہل حق واہل باطل دونوں کے لیے نافع اور مفید بنائیں۔آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

جمیل الرحمٰن......یکے از خدام حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ

۸ر صفر الخیر ۱۴۴۰ھ

☆......☆......☆......☆

عالم اسلام

حافظ محمد عدیل عمران

اسرائیل کیوں تسلیم کیا جائے؟؟؟

مسئلہ فلسطین اسلامی اور عرب دنیا کا ایک نہایت اہم مسئلہ ہے۔ یہ بہت ہی اُلجھا ہوا مسئلہ ہے جس کے نقصان دہ اثرات کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ یہ سیاسی، دینی اور اقتصادی نقطہ نظر سے بھی لاینحل ہو گیا ہے۔ کشمکش کا جس پہلو سے بھی جائزہ لیا جائے یہ حقیقت نمایاں ہو کر سامنے آئے گی۔

اس مسئلے کا آغاز ۱۸۹۷ء میں ہوا جب سوئٹرزلینڈ کے شہر پال میں یہودیوں نے ایک کانفرنس منعقد کی جس کے انعقاد میں تھیوڈور ہرتزل کا بڑا کردار تھا۔اس کانفرنس میں یہ قرارداد منظور ہوئی کہ ہمیں فلسطین میں اپنا قومی وطن بنانا ہے۔ ہرتزل نے ''یہودی مملکت'' کے موضوع پر ایک کتاب میں اس مملکت کی حدود کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ اسرائیل کی حدود میں سارا فلسطین، پورا اُردن، تمام تر شام و لبنان، عراق و کویت کے بیشتر علاقے اور سعودی عرب کا بھی بڑا حصہ شامل ہوگا۔ یہ حدود مدینہ منورہ تک وسیع ہوں گے۔ مصر سے صحرائے سینا، قاہرہ اور سکندریہ اسرائیل کی حدود میں لیے جائیں گے۔ یہی علاقہ ہے جسے یہودی اپنی اولاد کو یاد کراتے رہتے ہیں اور یہی عبارت اسرائیلی پارلیمنٹ کی پیشانی پر کندہ ہے۔ ''اے اسرائیل تیری سرحدیں دریائے فرات سے دریائے نیل تک ہیں۔'' اور یہی یہودی نعرہ ہے جسے عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ کوشاں ہیں۔

ہمارے ہاں ''اچانک'' یہ بحث شروع کر دی جاتی ہے کہ اسرائیل کو تسلیم کر لینا چاہیے اور ایسا کرنا پاکستان کے مفاد میں ہے۔ یہ بحث شروع کیوں کی جاتی ہے؟ اس بحث کے پس پردہ محرکات کیا ہیں؟ کن قوتوں کے اشارہ سے یہ بحث شروع کی جاتی ہے؟ ایسے سازشی عناصر پر نظر رکھنا مقتدر قوتوں کا کام ہے اور جس قدر مناسب ہو اس کا سدباب کریں کیونکہ یہ ایک حساس معاملہ ہے پاکستانی مسلمان عوام اسرائیل اور یہود کے حوالے سے بے حد جذباتی ہیں۔ جو عناصر بار بار مختلف عنوانوں سے اس بحث کو شروع کرتے ہیں ان کے پیچھے موجود قوتوں تک پہنچنا پاکستان کی محبّ وطن حکومت اور ہر محبّ وطن سیاسی رہنما کا کام ہے۔ اور ان کا فرض ہے کہ ان عناصر کو بے نقاب کریں تاکہ بار بار وہ سادہ لوح عوام کو گمراہ نہ کرسکیں۔ جو حضرات اسرائیل کو تسلیم کرنے کی بات کرتے ہیں وہ بطور جواز یہ استدلال پیش کرتے

ہیں کہ بھارت نے اسرائیل کو تسلیم کر کے ترقی کر لی ہے اور ہم اس ترقی میں پیچھے رہ گئے ہیں۔

اس حوالے سے یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ اسرائیل جو بھارت کے لیے نرم گوشہ رکھتا ہے تو یہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ بھارت نے اسرائیل کو تسلیم کر لیا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بھارت اسلام، مسلمانوں اور پاکستان کا ازلی دشمن ہے اور اسرائیل بھی اسلام، مسلمانوں اور پاکستان کا دشمن ہے۔ دراصل ان دونوں کی یہ نظریاتی قدر مشترک ہی وہ حقیقی نکتہ ہے جس کی وجہ سے یہ ایک دوسرے کے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں۔

بھارت اور اسرائیل دونوں عالم کفر کے سرکردہ ملکوں میں شامل ہیں اور کفر چونکہ ایک ہی ملت ہے اس لیے یہ ایک دوسرے کو نقصان نہیں پہنچاتے اور ایک دوسرے کو ترقی کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ ورنہ کچھ اسلامی ممالک نے بھی تو اسرائیل کو تسلیم کیا ہے اسرائیل کا ان کو ترقی کا موقع فراہم کرنا تو دور کی بات آج تک ان کے اور اسرائیل کے تعلقات میں وہ گرم جوشی پیدا نہیں ہو سکی جو اسرائیل اور بھارت کے درمیان ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بات صرف اسرائیل کو تسلیم کرنے سے نہیں بنے گی بلکہ اسرائیل سے ترقی کے اسباب حاصل کرنے کے لیے کفر اختیار کر کے مذہبی اشتراک بھی ضروری ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسرائیل کو تسلیم کرنے کا جواز نہ پہلے تھا نہ اب ہے۔ اس انسانیت دشمن ریاست کی ماہیت، فطرت، توسیع پسندی کی حرص اور اس کے طاغوتی نظریات اور عزائم کے بارے میں بے شمار حقائق اور شواہد موجود ہیں جو اسے دنیا اور خصوصا اہل اسلام کے لیے ناقابل قبول قرار دیتے ہیں۔ مسلم حکمرانوں، پالیسی سازوں، دانشوروں اور عالم لوگوں کی توجہ کے لیے چند حقائق جو خصوصی آگاہی اور فہم کا تقاضا کرتی ہیں پیش کیے جاتے ہیں یہ سب سیاسی، واقعاتی اور تاریخی یعنی غیر مذہبی حقائق ہیں جو اسرائیلی ریاست کو ناقابل تسلیم کرتے ہیں۔

۱۔ تاریخ شاہد ہے کہ اسرائیل دھوکہ دہی اور غاصبانہ قبضے سے فلسطین عربوں کو علاقہ سے بے دخل کر کے قائم یہ دنیا کی واحد ریاست ہے جو نسلی امتیاز قائم کرنے کے لیے یعنی صرف یہود کے لیے بنائی گئی ہے۔ اسرائیل میں بسنے والے فلسطین عرب اور مسلمان اسرائیل قانون کے تحت دوسرے نمبر کے شہری ہیں اور انہیں وہ آزادی، عزت اور سہولتیں حاصل نہیں جو صرف یہودی اسرائیلیوں کے لیے مخصوص ہیں۔

۲۔ بین الاقوامی قانون اور ریاستوں کے وجود کے اصولوں کے مطابق اسرائیل غیر قانونی

ریاست ہے کیونکہ اقوام متحدہ کے تحت ۲۹ / نومبر ۱۹۴۷ء کو اسرائیل کے قیام کے لیے فلسطین کی تقسیم کے بغیر فلسطینی باشندوں کی رضامندی کے قطعاً غیر قانونی تھی۔ بین الاقوامی قانون کے دیانتدار ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ فیصلہ اقوام متحدہ کے اختیار میں ہی نہیں تھا کہ وہ کسی علاقہ کو اس میں صدیوں سے بسنے والی قوم کی مکمل رضامندی اور شمولیت کے بغیر تقسیم کر کے علاقے کا کوئی حصہ دوسری قوم کو عطا کر دے۔ مستقبل میں اسرائیل کی غیر قانونی حیثیت کو یہ چیلنج پھر ضرور اٹھے گا۔ اسے کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ ظاہر ہے جو ممالک اسرائیل کو تسلیم کر لیتے ہیں وہ یہ نکتہ نہیں اٹھا سکیں گے۔

۳۔ یہ دلیل کہ اسرائیل چونکہ تقریباً ۷۰ / سال سے قائم ہے اس لیے اسے تسلیم کر لینا چاہیے۔ بے بنیاد اور بے وزن ہے۔ وقت قانون کے مسلمہ اصولوں کو مٹا نہیں سکتا۔ ارجنٹائن کے جزائر فاک لینڈ کو برطانیہ نے (۱۵۰ / سال) تک اپنے قبضے میں رکھا لیکن ارجنٹائن نے برطانیہ کا حق ملکیت کبھی قبول نہ کیا اور ۱۹۸۲ء میں برطانیہ نے اس خطہ زمین کے لیے جنگ ہارنے کے باوجود جزائر فاک لینڈ پر برطانیہ کا حق ملکیت تسلیم نہیں کیا۔ مقبوضہ کشمیر ۷۰ / سال سے ہندوانڈیا کے قبضے میں ہے لیکن پاکستان اور کشمیر کے غیور عوام نے انڈیا کے قبضے کو کبھی تسلیم نہیں کیا اور نہ کریں گے۔ فلسطینی قوم نے اسرائیلی قبضے کو شروع سے تسلیم نہیں کیا اور نہ کریں گے اور پھر اسرائیل کے غیر قانونی اور ناجائز ہونے کی نوعیت اتنی سنگین اور مجرمانہ ہے کہ وقت کبھی اسے قبولیت عطا نہیں کر سکتا۔

۴۔ اسرائیل کے قیام کے لیے صہیونی یہود نے فرضی دعوی بنانے کے لیے ایک جعلی دلیل گھڑی کہ دو ہزار سال قبل فلسطین یہودیوں کی ریاست تھی۔ اس لیے یہ علاقہ دنیا کے یہود کو واپس کیا جائے۔ اس دعوی کے جواب میں علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ نے سپین ۷۱۲ء سے ۱۴۹۲ء تک ۷۸۰ / سالہ طویل مسلم دور حکومت سامنے رکھ کر یہ لاجواب شعر کہا تھا۔

ہے خاک فلسطین پہ یہودیوں کا اگر حق ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہل عرب کا

تاریخی حقائق نے صہیونی جعلی دعوی غلط ثابت کر دیا چنانچہ امریکی دانشور پال فنڈلے اپنی کتاب ''اسرائیل کی دیدہ دانستہ فریب کاریاں'' میں لکھتا ہے کہ ''فلسطین کے پانچ ہزار سالہ دستاویزی تاریخ میں قدیم یہودیوں کا مجموعی عہد حکومت محض چھ سو سال کا تھا۔ فلسطین میں ہمیشہ سے اکثریت فلسطینی عربوں کی رہی ہے اور یہود اقلیت میں رہے ہیں۔ ۱۹۱۷ء میں اعلان بالفور کے وقت فلسطین میں چھ لاکھ عرب اور صرف ساٹھ ہزار یہودی آباد تھے۔

عالم اسلام کے خلاف تباہ کاری کے صہیونی عزائم و منصوبوں کے اعلان و اقرار اسرائیلی لیڈر

اپنے قومی اغراض و مقاصد کے حوالے سے متعدد بار کر چکے ہیں اور وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں ان میں سے چند مہا فتنوں کا ذکر یہاں ضروری ہے کیونکہ ان پر منصوبہ بندی کے مطابق تیزی سے عمل ہو رہا ہے۔ جب کہ مسلم حکمران اور مدبرین انہیں روکنے کے لیے کوئی عملی کوشش نہیں کر رہے۔

۱۔ بیت المقدس یعنی یروشلم اور دیگر مقبوضہ فلسطینی علاقوں پہ مستقل اسرائیلی قبضہ رکھنا۔ یروشلم کو برائے نام انٹرنیشنل حیثیت دینے کے لیے اسرائیلی خود تیار ہیں کیونکہ اس طرح دنیا دھوکے میں رہے گی جب کہ کنٹرول اسرائیل کا ہی رہے گا۔

۲۔ مسجد اقصیٰ، گنبد صخری اور مسجد ابراہیم کو گرانا اور مسجد اقصیٰ کی جگہ ہیکل سلیمانی کے نام پہ صہیونی مندر بنانا۔ تاریخی بابری مسجد پر ہندووں کا جعلی دعوی اور ۶ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو ہندو بلوائیوں کا اس ساڑھے چار سو سالہ پرانی مسجد کو گرانا اور اس کی جگہ مندر کھڑا کرنے کا عزم، دراصل مسجد اقصیٰ کے خلاف صہیونی منصوبے کا ہی حصہ ہے اور اس کی راہ ہموار کرنا ہے۔

۳۔ ایک نام نہاد فلسطینی ریاست کا قیام جو لوکل گورنمنٹ کی طرح اسرائیل کے تحت ہو گی۔ لبنان اور اُردن کو توڑنے کے لیے اسی قسم کی لوکل ریاستیں اسرائیلی فیڈریشن کے تحت لانا۔

۴۔ سب سے اہم بات یہ کہ مختلف فتنوں اور ہتھکنڈوں سے تمام مسلم ممالک کو توڑنا تاکہ اسلام کبھی بھی سیاسی اور فوجی طاقت نہ بن سکے۔

اگر ہم موجودہ صورت حال کا بغور جائزہ لیں تو شام و عراق، فلسطین و برما، کشمیر و چیچنیا وغیرہم میں قتل و فساد کو ہوا دینے میں واسطہ یا بلاواسطہ اسرائیل کا ہاتھ ہے۔ مسلم حکمرانوں کے لیے عبرت اور تشویش کا وقت ہے۔ مسلم ممالک خصوصا سعودی عرب اور پاکستان کو سوچنا چاہیے کہ جو ریاست علی الامکان مسلم ممالک اور دین اسلام کی دشمن ہو گزشتہ ۷۰ر سال سے دشمنانہ کاروائیاں کر رہی ہو اور اپنے کئی مذموم عزائم کا برملا اظہار کر چکی ہو کیا وہ اس قابل ہے کہ اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا جائے۔؟؟ عالمی صہیونیت کے لاتعداد صہیونی عالمی عزائم ہیں جو بنیادی طور پر پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات مبارکہ، قرآن مجید، اسلامی ضابطہ حیات اور مسلم ممالک کی آزادی سلمیت، اقتصادی وسائل وصلاحیت اور فوجی طاقت کے خلاف دشمنی پر مبنی ہیں۔ یہ سب کچھ پس پردہ ہو چکے ہیں۔ مگر اس کے باوجود ہمارے بعض سیاسی بزرجمہر اسے بطور ریاست تسلیم کرنے کے بیانات داغتے رہتے ہیں۔ ایک جارح اور غاصب ملک کو کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

☆......☆......☆......☆

مولانا مجیب الرحمٰن مدظلہم، ڈیرہ اسماعیل خان قسط:۶ (آخری)

مروان بن حکم اور اُس کے کارنامے

(۶) حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی روضہ مبارکہ میں تدفین اور مروان کی رکاوٹ:

اس بارے میں بھی متعدد روایات ہیں، مثلاً:

روایت اول:

[۱]......علامہ جمال الدین مزیؒ اور علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اور دیگر کئی محققین محدثین مؤرخین فرماتے ہیں:

وقال ابوعوانة عن حصين عن ابی حازم لماحضرالحسن قال للحسين ادفنونی عند ابی يعنی النبیﷺ الا ان تخافوا الدماء فان خفتم الدماء فلاتهريقوا فیّ دماء، ادفنونی عند مقابر المسلمين.[تهذيب التهذيب:۳۰۱/۲] قال فلماقبض تسلح الحسين وجمع مواليه ،فقال له ابوهريرة: انشدک الله وصية اخيک، فان القوم لن يدعوک حتی يكون بينكم دماء، قال فلم يزل به حتی رجع، قال ثم دفنوه فی بقيع الغرقد، فقال ابوهريرة: ارئيتم لوجیء بابن موسی ليدفن مع ابيه فمنع اكانوا قدظلموه؟ قال: فقالوا نعم! قال فهٰذا ابن نبی الله قدجیء به ليدفن مع ابيه. [تهذيب الكمال:۲۵۴/۶]

ابوعوانہ حصین سے وہ ابوحازم سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات قریب ہوئی، حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا: مجھے میرے ابا یعنی نبی کریمﷺ کے پاس دفن کرنا، مگر یہ کہ قتل وغارت کا خطرہ ہوجائے ،تو اگر قتل وغارت کا خطرہ ہو تو میری وجہ سے خون نہ بہنے دینا، مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا، تو جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ مسلح ہوگئے اور اپنے موالی جمع کر لئے ،تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اُن سے فرمایا تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں اپنے بھائی کی وصیت کا خیال کرو، کیوں کہ لوگ تمہیں نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ تم میں خون ریزی ہوجائے گی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مسلسل اُنہیں سمجھاتے رہے یہاں تک کہ اُنہوں نے اپنی رائے سے رجوع کرلیا، پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بقیع غرقد میں دفن کیا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا: یہ بتاؤ! اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بیٹے کو اُن کے باپ کے ساتھ دفن کے لئے لایا جاتا اور اُن کے ساتھ دفن ہونے سے روک دیا جاتا تو روکنے والے ظالم بنتے؟ لوگوں نے کہا واقعی ظالم بنتے ،تو فرمایا یہ حضورﷺ کے بیٹے ہیں حضورﷺ کے ساتھ دفن کے لئے لائے گئے (تو اُنہیں روک دیا گیا تو روکنے والے بھی ظالم ہوئے)۔

یہ روایت امام ابن سعد نے اپنی سند سے بیان کی ہے، اور اُن سے امام ابن عساکر نے بھی لی ہے، اس سند کے راوی یحییٰ بن حماد، ابوعوانہ، حصین، ابوحازم ہیں[الطبقات الکبری:۱/۳۴۰، رقم:۲۹۹، تاریخ دمشق لابن عساکر:۱۳/۲۸۸] یہ سب ثقہ راوی ہیں، اِن میں سے کوئی مجروح نہیں ہے، یحییٰ بن حماد بن ابی زیاد شیبانی بصری ثقہ وحافظ ہیں ابوعوانہ سے بکثرت روایات لینے والے ہیں، ابوعوانہ وضاح بن عبداللہ یشکری واسطی ثقہ وثبت ہیں، حصین بن عبدالرحمٰن سلمی ثقہ تابعی ہے، اور ابوحازم سلمہ بن دینار الاعرج مولی بنی لیث مدنی صحاح ستہ کے راوی اور ثقہ ہیں، کئی مؤرخین محدثین نے اِس روایت پر اعتماد کرتے ہوئے ذکر کیا ہے اور کوئی جرح نہیں کی ہے۔

روایت دوم:

[۲]......امام ابن عساکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اخبرنا ابو سعد بن البغدادی انا ابو المظفر محمود بن جعفر بن محمد بن احمد بن جعفر المعدل اناعم ابی ابوعبدالله الحسین بن احمد بن جعفر الکوسج انا ابراهیم بن السندی بن علی انا الزبیر بن بکار بن عبدالله الزبیری حدثنی یحیی بن مقدام عن عمه موسی بن یعقوب بن عبدالله بن وهب بن زمعة حدثنی فائد مولی عبادل ان عبیدالله بن علی ابن ابی رافع اخبره هو وغیره من مشیختهم ان حسن بن علی بن ابی طالب اصابه بطن فلما عرف بنفسه الموت ارسل الی عائشة زوج النبی ﷺ ان تأذن له ان یدفن مع النبی ﷺ فی بیتها فقالت نعم بقی موضع قبر واحد قد کنت احب ان ادفن فیه وانا اوثرك به ،فلما سمعت بنو امیة ذالك لبسوا السلاح فاستلاموا بها وکان الذین قام بذالك مروان بن الحکم فقال والله لا یدفن عثمان بن عفان بالبقیع ویدفن حسن مع رسول الله ﷺ......[تاریخ دمشق: ۲۸۹/۱۳ ،اتحاف الزائر و اطراف المقیم السائر لابی الیمن ابن عساکر(م۶۸۶ھ)صفحه ۸۹ طبع شرکة دار الارقم بن ابی الارقم]

عبیداللہ بن علی بن ابی رافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو پیٹ میں تکلیف ہوئی جب موت قریب سمجھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پیغام بھیجا کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ اپنے گھر میں اُن کو دفن ہونے کی اجازت دیں، ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا ٹھیک ہے، ایک قبر کی جگہ باقی ہے، میری چاہت تھی کہ میں اُس میں دفن کی جاؤں لیکن اب آپ کو ترجیح دیتی ہوں، جب بنوامیہ نے یہ خبر سنی ہتھیار پہن لیے، اور حضور ﷺ کے حجرے پر تسلط جمالیا، اور اِس کی تحریک مروان بن حکم نے چلائی، اور کہا اللہ کی قسم (ایسا نہیں ہوسکتا) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جنت البقیع میں دفن نہ ہوسکیں اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دفن ہوں (ایسا نہ ہوگا، چنانچہ بالآخر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا)

اس کی سند میں عبیداللہ بن علی بن ابی رافع رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ہیں، اُن

سے روایت کرنے والے فائد عبیداللہ کے آزاد کردہ غلام ہیں لابأس بہ، ثقہ ہے۔[تہذیب التہذیب] اور موسی بن یعقوب بن عبداللہ بن وہب بن زمعہ سچا راوی ہے البتہ اس کا حافظہ کمزور ہے۔[تقریب] یحیٰ بن مقداد بن یعقوب زمعی موسی بن یعقوب کے بھتیجے اور شاگرد ہیں، محدث زبیر بن بکار زبیری کے استاد ہیں، اور محدث زبیر بن بکار بن عبداللہ بن مصعب ثقہ ہیں، اُن کی کتاب ہے **جمهرة نسب قريش**، افسوس ہے کہ اِس کتاب کے بارہ جزء مفقود ہیں، اور اندازہ یہ ہے کہ یہی روایت اُس کتاب کے اُن ابتدائی جزءوں میں موجود ہوگی جس کے بعد سند کے مزید راویوں کی چھان بین کی ذرا ضرورت نہ ہوگی۔

اور راوی ابراہیم بن السندی بن علی بن بہرام امام طبرانی، ابوالشیخ وغیرہم کے استاذ ہیں، امام ابوالشیخ ثقہ بتاتے ہیں، سنہ ۳۱۳ھ کو فوت ہوئے، اور راوی ابوعبداللہ الحسین بن احمد بن جعفر الکوسج کا ذکر تاریخ الاسلام للذہبی میں کیا گیا ہے، اس کو **المعدّل** (عادل قرار دیا جانے والا) کہا جاتا ہے۔(۱۴۹/۲۷) امام ابونعیم اصفہانی کے استاد ہیں (تاریخ اصبہان ۳۳۸/۱) اور محمود بن جعفر بن محمد کوسج سے متعلق اسماعیل بن محمد الحافظ فرماتے ہیں عادل پسندیدہ راوی ہے (تاریخ الاسلام ذہبی) سنہ ۴۷۳ھ میں وفات پائی (سیر اعلام النبلاء) اور ابوسعد بن البغدادی احمد بن محمد بن احمد بن الحسن بغدادی اصبہانی الحافظ ہیں، سنہ ۴۶۳ھ کو اصفہان میں پیدا ہوئے، محدثین نے اِن کی تعریف میں بہت اونچے کلمات بولے ہیں۔[تاریخ الاسلام للذہبی ۵۳۰/۳۶:تا ۵۳۲] یہ روایت حسن درجے کی ہے۔

اوپر ابوحازم رحمہ اللہ کی روایت میں تھا کہ کچھ لوگ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حجرہ نبوی میں دفن سے رکاوٹ بنے تھے، اِس روایت میں وضاحت آگئی کہ رکاوٹ بننے والوں کے سرپرست مروان بن حکم تھے۔

روایت سوم:

[۳]......امام بلاذری احمد بن یحیٰ بن جابر بن داؤد (م ۲۷۹ھ) رحمہ اللہ:

اپنی سند سے عروہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ مجھے حضور ﷺ کی قبر کے پاس دفن کرنا، ہاں اگر اِس میں شر کا خطرہ ہو تو میری والدہ کے پاس دفن کر دینا، حضرت حسن فوت ہوگئے تو جب اُن کو روضہ مبارکہ میں دفن کا ارادہ کیا مروان نے اِس سے روک دیا اور کہا یہ حضور ﷺ کے ساتھ دفن نہیں ہوں گے، کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حش کوکب میں دفن ہوں اور حسن یہاں دفن ہوجائیں؟[انساب الاشراف للبلاذری:۶۰/۳]

اس روایت کے راوی:

ا۔حفص بن عمر الدوری المقری ہیں، ابوحاتم نے اُس کو سچا کہا ہے، ابوعلی اہوازی کہتے ہیں: تمام روایات میں ثقہ ہے۔[تاریخ الاسلام ذہبی] ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا۔ مسلمہ بن قاسم نے کہا کہ: ثقہ

ہے۔ ابوعمرو دانی فرماتے ہیں: ثقہ وثبت ہیں۔ ابوجعفر عقیلی فرماتے ہیں: ثقہ وقابل اطمینان ہیں۔ ابن خلفون نے اُس کو ثقات میں ذکر کیا۔[التراجم الساقطۃ من کتاب اکمال تہذیب الکمال مغلطائی:۲۴۲/۱]

۲۔ عباد بن عباد مہلبی بصری صحاح ستہ کا راوی ہے، ثقہ ہے، ابن معین ویعقوب بن شیبہ ثقہ کہتے ہیں۔[طبقات علماء الحدیث:۳۸۲/۱] ذہبیؒ فرماتے ہیں: **الامام الصدوق** ہے۔[تذکرۃ الحفاظ] بعض نے اُن پر جرح کی جو غیر مقبول ہے۔

۳۔ ہشام بن عروہ ثقہ ثبت ہے، البتہ کبھی تدلیس کرتا ہے۔[تقریب]

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ پر جرح اور جواب:

یحییٰ بن سعید قطان نے فرمایا کہ: آخر میں اختلاط کا شکار ہوگئے تھے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں: یہ قول مردود ہے، کیوں کہ وہ بعض اوقات وہم، سہو، نسیان میں مبتلا ہوئے ہیں، مگر اختلاط نہیں ہوا، اور ایسا کونسا بڑا امام ہے جو وہم سے سلامت رہا ہو؟ شعبہ، معمر، اوزاعی، مالک وغیرہم رحمہم اللہ بھی تو کبھی وہم میں مبتلا ہوجاتے تھے۔[سیر اعلام النبلاء:۳۶/۶] اور عبدالرحمٰن بن خراش نے کہا کہ مجھ تک یہ پہنچا ہے کہ امام مالک ہشام بن عروہ کی عراقی روایتوں کی وجہ سے اُس کو ناپسند کرتے تھے۔

مگر امام مالک سے منقول یہ بات سند سے ثابت نہیں ہے ابن خراش کہہ رہے ہیں کہ مجھ تک یہ بات پہنچی، کن راویوں سے پہنچی؟ اِس کی تحقیق لازمی ہے، بغیر تحقیق ابن خراش کی بات پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، خاص کر جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ نے مؤطا میں ہشام کی بکثرت روایات لی ہیں، تو اگر اُس کو ناپسند کرتے تو روایات کیوں لیتے؟

پھر یہ عبدالرحمٰن بن یوسف بن خراش کون ہے؟ ابوزرعہ جرجانی کہتے ہیں: رافضی ہے، حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے عیوب تلاش کرتا تھا۔[تاریخ بغداد:۲۸۰/۱۰] بلکہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے عیوب پر اُس نے ایک کتاب (دو جزء) لکھ ڈالی تھی جس پر حضرت ابومسعود احمد بن الفرات رازی اصفہانی نے نکیر کی تھی تو ابن خراش نے اُن کو قتل کی دھمکی دی تھی، جس پر حضرت ابومسعود نے فرمایا تھا کہ میری تو تمنا ہے کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی محبت میں مارا جاؤں۔[مرأۃ الزمان:۳۹۹/۱۵] تشیع کے باب میں مضامین لکھتا تھا۔[الکامل لابن عدی:۵۱۸/۵] اور روافض کی طرح حدیث **لانورث ماترکناہ صدقۃ** کو باطل ٹھہراتا تھا۔[میزان الاعتدال:۶۰۰/۲] علامہ ابن حجر لکھتے ہیں: عبدالرحمٰن بن یوسف بن خراش غالی شیعوں میں سے ہے بلکہ رفض کی طرف منسوب ہے۔[لسان المیزان:۱۶/۱] متعدد محققین (دکتور محمد مہدی المسلمی، اشرف منصور عبدالرحمٰن، عصام عبدالہادی محمود، احمد عبدالرزاق عید، ایمن ابراہیم الزاملی، محمود محمد خلیل) نے مل کر رجال حدیث سے متعلق امام دارقطنی کے اقوال کو جمع کرکے ایک مجموعہ تیار کیا ہے بنام

''موسوعة اقوال ابی الحسن الدارقطنی فی رجال الحدیث وعلله ''اس میں رقم ۲۱۵۲ر پر ابن خراش کو ذکر کرتے ہوئے لکھا"عبدالرحمن بن یوسف بن سعیدبن خراش الشیعی الکافر"

اور ہشام سے متعلق یہ بھی ابن خراش نے ہی بتایا کہ ہشام اول بار کوفہ آئے تو حدیث یوں بیان کرتے حدثنی ابی قال سمعتُ عائشة ،اور دوسری بار آئے تو کہتے اخبرنی ابی عن عائشة ، اور تیسری بار آئے تو کہتے ابی عن عائشة ،یعنی باپ سے مرسل بیان کرتے ،تو یہ بھی ابن خراش کی نقل ہے جس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، دوسرے یہی مرض خود ابن خراش میں بھی تھا کہ وہ مرسلات کو موصولات بنا تا تھا۔ [میزان الاعتدال:۲/۶۰۰] اس لیے ابن خراش کی اِس بات کو ذکر کرکے علامہ ذہبی فرماتے ہیں قلت الرجل حجة مطلقًا. [سیر اعلام النبلاء:۶/۳۵] میں کہتا ہوں ہشام مطلقاً (یعنی ہر حال میں) حجت ہے، اس لئے سب محدثین نے جس طرح هشام قال سمعت ابی عن عائشة یااخبرنی ابی عن عائشة کے الفاظ سے مروی ہشام کی روایات لی ہیں۔ایسے ہی هشام عن ابیه عن عائشة کے ساتھ مروی روایات بھی بلاتفریق لی ہیں، کتب مسانید میں مسند امام احمد، ومسند اسحاق بن راہویہ، مسند بزار، مسند ابویعلی، میں مرویات ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دیکھ لیں،اور سارے صحاح ستہ اور اُن سے علاوہ دوسری حدیث کی کوئی سی کتاب اٹھالیں،کوئی بھی هشام عن ابیه عن عائشة کے الفاظ والی سند سے خالی نہیں ہے،ایسی روایات صحیح بخاری میں تقریباً ۸۹رتک ہیں،اور هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة کے الفاظ سے مؤطا امام مالک میں تقریباً چھبیس روایات ہیں،اور صحیح بخاری میں تقریباً ۸۲رتک ہیں،تو جناب کو جو اُس کی تدلیس وارسال سے روایات غلط ہونے کا ڈر لگ رہا ہے دنیا کا کوئی ایک محدث بھی آپ کا ہم خیال نہیں ہے، یہ حضرات ہشام کی تدلیس وارسال کو ذرا بھی مضر نہیں سمجھ رہے ورنہ اِن روایات سے بلاجھجک کتابیں نہ بھر لیتے ، بہرحال یہ جرح مردود ہے۔

رہی یہ بات کہ اُس کی احادیث عراقی پر نکیر کی گئی! تو یعقوب بن شیبہ سے منقول یہ بات ذکر کرکے علامہ ذہبی اِس کو بھی رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:قلت فی حدیث العراقیین عن هشام اوهام تحتمل کماوقع فی حدیثهم عن معمر اوهام. [سیر اعلام النبلاء :۶/۴۶] میں کہتا ہوں کہ عراقیوں کی ہشام سے مروی احادیث میں ایسے اوہام ہیں جو قابل برداشت ہیں جیسے عراقیوں کی معمر سے روایات میں (قابل برداشت) اوہام ہیں۔

ہشام سے متعلق بندہ کو اِس تفصیل کی ضرورت اس لئے پڑی کہ ابن خراش وغیرہ کے اِن اقوال کو اور اوہام کی روایتوں کو آنجناب قاضی صاحب نے لے کر اعتماد کیا ہے۔[عمر عائشہ پر تحقیقی نظر:۲۷۵]

۴۔اور ہشام عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں اور عروہ رحمہ اللہ مدینہ طیبہ کے سات

بڑے فقہاء میں سے ہیں۔

تو یہ روایت بھی اگر اونچے درجہ کی صحیح نہ مانی جائے تو بھی اس کے حسن ہونے میں شک نہیں ہے۔

اس روایت سے بھی ثابت ہوا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ مجھے حضور ﷺ کے ساتھ دفن کرنا، اور یہ کہ روضہ مبارکہ میں اُن کے دفن ہونے سے مروان رکاوٹ بنا ہے۔

روایت چہارم:

[۴]......امام عمر بن شبہ نمیری (م ۲۶۲ھ) فرماتے ہیں:

مجھے میرے والد (شبہ) نے بیان کیا وہ کہتے ہیں مجھے نوفل بن الفرات نے بیان کیا کہ: جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب ہوا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو درخواست کی ہے کہ جب میں وفات پا جاؤں مجھے اپنے گھر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت دیں (تو انہوں نے اجازت تو دے دی ہے) معلوم نہیں شاید شرم میں اجازت دی ہو، تو جب میں وفات پالوں اُن کے پاس حاضر ہو کر اِس کی درخواست کرنا، اگر خوشی دل سے اجازت دیں تو مجھے وہاں دفن کر دینا، پھر اگر وہ اجازت دیں تو معلوم نہیں شاید جب آپ اِس کا ارادہ کریں تو لوگ رکاوٹ بن جائیں جیسے ہمارے لوگ گھر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دفن کے لیے رکاوٹ بنے تھے، تو اگر رکاوٹ بنیں تو اس معاملہ میں اُن سے جھگڑا نہ کرنا مجھے بقیع غرقد میں دفن کر دینا کہ اُس میں مدفون لوگوں میں میرے لیے نمونہ ہے۔تو جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ ام المؤمنین کے پاس حاضر ہوئے، انہوں نے فرمادیا: جی ہاں! عزت واکرام کے ساتھ دفن کیے جائیں، یہ خبر مروان تک پہنچی تو وہ رکاوٹ بنا۔[تاریخ المدینہ لابن شبہ:۱/۱۱۰]

اِس کے راوی عمر بن شبہ رحمہ اللہ (م ۲۶۲ھ) **الحافظ الثقة العلامة** صاحب تصانیف ہیں (طبقات علماء الحدیث ۲/۱۹۲ رقم ۵۰۲)، محدثین نے اُس کی خوب تعریف کی ہے، (سیر اعلام النبلاء) اُن کے والد شبہ بن عبیدہ بھی ثقہ ہیں ابن حبان نے اُن کو ثقات میں ذکر کیا ہے (الثقات رقم ۱۳۶۲۸)، اور نوفل بن الفرات عقیلی بصری بھی ثقات میں ذکر کئے گئے ہیں (الثقات لابن حبان رقم ۱۶۱۱۴) امام ذہبی نے لابأس بہ کہا ہے (تاریخ الاسلام ۹/۳۱۴) البتہ روایت کا یہ حصہ مخدوش ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے یعنی ہمارے لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گھر میں دفن ہونے نہ دیا (بقیع میں اُن کے دفن ہونے سے رکاوٹ ڈالی گئی تھی) یہاں جو فرمایا کہ ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے (جنت البقیع میں) دفن سے رکاوٹ بنے ممکن ہے کہ اُس کی توجیہ یہ ہو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بقیع میں جن لوگوں نے دفن نہ ہونے دیا وہ بظاہر اہل بیت کی محبت کے دعویدار تھے (گو حقیقت میں دغا باز تھے)، جس کے سبب کئی لوگ اِس

غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دل میں بھی قاتلین عثمان سے ہمدردی ہے اور وہ اِس قتل میں اُن کے حامی ہیں اِس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وضاحتی بیانات دینے پڑے تھے، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بقیع میں دفن نہ کئے جائے کا الزام بھی اِن حضرات پر لگا ہوگا۔

ان روایتوں کے علاوہ امام ابن سعد رحمہ اللہ نے طبقات میں اپنے استاذ امام محمد بن عمر واقدی کی سندوں سے (۱) حسن بن محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ (۲) منذر بن جہم رحمہ اللہ (۳) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ وغیرہم کی روایات بھی ذکر کی ہیں جن میں ذکر کیا گیا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے روضہ مبارکہ میں دفن کئے جانے کی وصیت فرمائی تھی، اور بعض لوگ مروان وغیرہ اس میں رکاوٹ بنے تھے، مگر چوں کہ اُن روایتوں کے راوی امام واقدی ہیں اس لئے وہ بطور شاہد ضرور دلیل بن سکتی ہیں گو اصل دلیل کے طور پر پیش نہ کی جاسکیں۔

امام محمد بن عمر واقدی:

مگر بات یہ ہے کہ واقدی اتنا گیا گذرا نہیں ہے جتنا ظاہر کیا جاتا ہے، چنانچہ

۱)......محمد بن اسحاق صغانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! اگر میرے نزدیک واقدی ثقہ نہ ہوتا میں اُس سے حدیث روایت نہ کرتا، واقدی سے چار ائمہ نے حدیثیں بیان کی ہیں: ابن ابی شیبہ، ابوعبید، ابوخیثمہ اور ایک اور کا ذکر کیا۔[تہذیب الکمال]

۲)......مصعب بن عبداللہ فرماتے ہیں: واقدی ثقہ و قابل اعتماد ہے۔

۳)......معن بن عیسیٰ فرماتے ہیں کہ: مجھ سے واقدی سے متعلق پوچھا جاتا ہے؟ میرے متعلق واقدی سے پوچھا جائے۔

۴)......یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ: واقدی ثقہ ہے۔

۵)......ابوعبید قاسم بن سلام کہتے ہیں: واقدی ثقہ ہے۔

۶)......ابراہیم حربی کہتے ہیں کہ: جو شخص یہ کہے کہ امام مالک و ابن ابی ذئب کے مسائل واقدی سے زیادہ ثقہ راوی سے لیے جاسکتے ہیں تو اُس کی تصدیق نہ کی جائے، ابراہیم حربی کہتے ہیں کہ: واقدی اہل اسلام لوگوں میں سے امین ہے۔

۷)......دراوردی کہتے ہیں: واقدی تو امیر المؤمنین فی الحدیث ہے۔

۸)......مجاہد بن موسی کہتے ہیں کہ: واقدی سے بڑھ کر حدیث کے کسی حافظ سے میں نے حدیث نہیں لکھی۔[تاریخ الاسلام للذہبی ۱۴/۱۹۸تا۲۰۲]

۹)......امام محمد بن سعد کہتے ہیں: واقدی مغازی سیر اور فتوح و احکام اور لوگوں کے اخلاق سے

متعلق (خوب) علم رکھنے والے تھے۔[تاریخ الاسلام ذہبی]

۱۰)......محمد بن سلام جمحی کہتے ہیں: واقدی اپنے زمانے کا عالم تھا۔[سیر اعلام النبلاء]

۱۱)......امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (گو) اُس کے ضعف پر اجماع ہوگیا۔[مگر اجماع کا دعوی درست نہیں، علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ، قواعد فی علوم الحدیث] (لیکن) اُس کی سب سے عمدہ وہ روایات ہیں جو ابن سعد نے طبقات میں اُس سے لی ہیں کیوں کہ ابن سعد اُس کی روایتوں میں سے بعض کو منتخب کرتے تھے۔[تاریخ الاسلام:۱۹۹/۱۴] اور فرماتے ہیں: **مع ضعفه يكتب حديثه و يروى لانى لااتهمه بالوضع.** [سیر اعلام النبلاء :۱۶۵/۸] باوجودیکہ ضعیف ہے اُس کی حدیث لکھی جائے اور روایت کی جائے کیوں کہ میں اُس کو وضع (گھڑنے) سے متہم نہیں سمجھتا، اور فرماتے ہیں: **والواقدی وان كان لانزاع فی ضعفه فهو صادق اللسان كبير القدر.** اگرچہ واقدی کے ضعیف ہونے میں اختلاف نہیں لیکن وہ زبان کا سچا اور اونچے درجے کا آدمی ہے۔[سیر اعلام النبلاء:۱۴۲/۷، ترجمہ ابن ابی ذئب]

۱۲)......محمد بن صالح کہتے ہیں کہ: جس عورت نے خیبر میں نبی کریم ﷺ کو زہر دی تھی اُس کے متعلق امام مالک سے پوچھا گیا (کہ اُس کا کیا ہوا تھا؟) فرمایا: مجھے اُس کا علم نہیں، میں اہل علم سے اُس کے متعلق پوچھوں گا، پھر امام مالک رحمہ اللہ امام واقدی سے ملے اور اُن سے تحقیق کی تو انہوں نے بتایا کہ: مجھے جو علم ہے یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اُس کو قتل کیا، بعد میں امام مالک رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں نے اہل علم (امام واقدی) سے پوچھا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ حضور ﷺ نے اُس کو قتل کیا تھا۔[تاریخ بغداد ۲۱۷/۳]

۱۳)......ابوبکر صغانی نے واقدی کی احادیث کو حسن بتایا۔[تاریخ بغداد:۲۱۸/۳]

۱۴)......مسیبی سے پوچھا گیا تو فرمایا: واقدی ثقہ و قابل اطمینان ہے۔

۱۵)......ابو یحییٰ ازہری (یا زہری) سے پوچھا گیا تو فرمایا: ثقہ و قابل اطمینان ہے۔

[تاریخ بغداد:۲۲۰/۳]

۱۶)......علامہ شہاب الدین یاقوت بن عبداللہ حموی (م ۶۲۶ھ) فرماتے ہیں: واقدی کو محدثین کی ایک جماعت نے ضعیف ٹھہرایا جیسے یحیٰ بن معین، ابوحاتم، نسائی، ابن عدی، ابن راہویہ، دار قطنی، **امافی اخبار الناس والسیر والفقه وسائر الفنون فهو ثقة باجماع.** [معجم الادباء :۲۵۹۶/۶] لیکن لوگوں کی خبروں اور سیر و فقہ اور سب فنون میں تو واقدی بالاجماع ثقہ ہے۔

۱۷)......عباس العنبری کہتے ہیں واقدی مجھے عبدالرزاق سے زیادہ پسند ہے۔[عیون الاثر:۲۴/۱]

۱۸)......امام ابن کثیر کہتے ہیں واقدی کے پاس بہترین زائد روایات اور زیادہ تر لکھی ہوئی تاریخی باتیں ہیں، وہ اس شان کے بڑے ائمہ میں سے ہے، **وهو صدوق فی نفسه مكثار** اور وہ اپنی ذات

میں سچا ہے بکثرت روایات رکھنے والا ہے۔[البدایہ:۲۳۴/۳،۲۳۵]

۱۹)......احمد بن عبداللہ بن صالح کوفی فرماتے ہیں: میں نے واقدی سے بکثرت لکھا ہے اور وہ ثقہ ہے، میں نے اُس سے بڑھ کر حافظ حدیث نہیں دیکھا۔[جمھرة تراجم الفقهاء المالكية:۱۱۵۹/۳]

۲۰)......علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**فان الصحيح فى الواقدى التوثيق قال الشيخ تقى الدين بن دقيق العيدفى الامام جمع شيخناابو الفتح الحافظ فى اول كتابه المغازى والسير اقوال من ضعفه ومن وثقه ورجح توثيقه وذكر الاجوبة عماقيل.**

[قواعدفى علوم الحديث ملحقه مع اعلاء السنن:۹۰۲۵/۱۸،ط دارالفكر]

واقدی سے متعلق صحیح توثیق (اُس کو ثقہ قرار دینا) ہے، شیخ تقی الدین ابن دقیق العید فرماتے ہیں ہمارے استاذ ابوالفتح ابن سید الناس نے اپنی مغازی وسیر کی کتاب (عیون الاثر) میں ضعیف قرار دینے والوں اور ثقہ قرار دینے والوں دونوں کے اقوال ذکر کئے اور واقدی کی توثیق (ثقہ ماننے) کو ترجیح دی ہے اور جو اُس پر اعتراض کیے گئے اُن کے جوابات ذکر کیے ہیں۔

صرف فہرست ابن الندیم میں واقدی کا تشیع ذکر کیا گیا ہے، جب کہ علماء اہل سنت میں سے کسی نے اُس پر تشیع کا الزام نہیں لگایا؟

اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے جو نقل کیا گیا کہ واقدی احادیث میں تبدیلیاں کرتا ہے، تو اُس کے متعلق ابراہیم حربی فرماتے ہیں مراد اُس سے یہ ہے کہ ایک حدیث جس کا متن ایک ہوتا ہے اور اُس کی سندیں متعدد راویوں سے ہوتی ہیں تو امام واقدی اُن متعدد سندوں کو اس طرح اکٹھا کرتے ہیں کہ مجھے فلاں وفلاں نے حدیث بیان کی پھر اُن کا بیان کردہ وہی ایک متن ذکر کردیتے ہیں، اور یہ کام تو صرف واقدی نہیں کرتے بلکہ حماد بن سلمہ، ابن شہاب زہری، اور محمد بن اسحاق وغیرہم بھی کرتے ہیں اور اِس میں حرج نہیں ہے۔[تاریخ دمشق لابن عساکر وغیرہ]

بہر حال واقدی سے متعلق تصویر کا یہ رخ بھی ہے، جس سے کم از کم اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ علامہ واقدی بالکل گیا گذرا نہیں ہے، اگر ضعیف بھی ہو جیسا کہ کئی محدثین فرماتے ہیں تو بھی اُس کی روایات ضعیف ہی ہوں گی، محض واقدی کی وجہ سے من گھڑت نہیں کہی جاسکتیں، اور ضعیف روایتوں کی تائید صحیح روایات سے ہو تو اُن ضعیف روایتوں کا مضمون بھی صحیح ٹھہرے گا۔

حاصل کلام:

ایسی متعدد روایتوں کے سبب بہت سے محققین مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے ساتھ دفن کئے جانے کی وصیت کی تھی، حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے اجازت لے

لی تھی، اور فرمایا تھا کہ اگر روضہ مبارکہ میں دفن ہونے سے لوگ رکاوٹ بن جائیں تو مجھے مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کر دینا، تو جب رکاوٹ پیش آئی تو اُنہیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا، بعض کے نام اور حوالے درج ذیل ہیں:

(۱) امام ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع ہاشمی بغدادی (م ۲۳۰ھ)

[الطبقات الکبری لابن سعد:۳۴۰/۱]

(۲) امام محمد بن حبان بن احمد بن حبان تمیمی (م ۳۵۴) [الثقات:۶۷/۳]

(۳) علامہ ابن عبدالبر مالکی (م ۴۶۳ھ) [الاستیعاب:۳۸۳/۱]

(۴) امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر (م ۵۷۱ھ) [تاریخ دمشق:۲۸۷/۱۳، ۲۸۸، ۲۸۹]

(۵) امام علی بن ابی الکرم محمد بن محمد، ابن اثیر (م ۶۳۰ھ)

[الکامل فی التاریخ لابن اثیر:۵۸/۳، اسد الغابۃ:۱۳/۲]

(۶) امام ابوالمظفر یوسف، سبط ابن الجوزی (م ۶۵۴ھ)

[مرأۃ الزمان فی تواریخ الاعیان:۱۲۷/۷]

(۷) امام ابن خلکان احمد بن محمد بن ابراہیم برمکی (م ۶۸۱ھ) [وفیات الاعیان:۶۷/۲]

(۸) علامہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (م ۷۴۸ھ)

[تاریخ الاسلام:۴۰/۴، سیر اعلام النبلاء:۲۷۵/۳]

(۹) امام ابن کثیر اسماعیل بن عمر (م ۷۷۴ھ) [البدایہ والنہایہ:۴۴/۸]

(۱۰) امام یوسف بن عبدالرحمٰن بن یوسف ابوالحجاج المزی (م ۷۴۲ھ)

[تہذیب الکمال:۲۵۴/۶]

(۱۱) علامہ علاؤالدین مغلطائی بن قلیج بن عبداللہ البکجری الحنفی (م ۷۶۲ھ)

[التراجم الساقطۃ من کتاب اکمال تہذیب الکمال:۹۶/۱]

(۱۲) علامہ صلاح الدین خلیل بن ایبک بن عبداللہ صفدی (م ۷۶۴ھ)

[الوافی بالوفیات:۶۸/۱۲]

(۱۳) علامہ ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) [تہذیب التہذیب:۳۰۰/۲]

(۱۴) علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی (م ۹۰۲ھ)

[التحفۃ اللطیفۃ فی تاریخ المدینۃ الشریفۃ:۲۸۲/۱]

(۱۵) علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ) [تاریخ الخلفاء:۱۴۴]

(۱۶)علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ قسطنطینی حاجی خلیفہ کاتب چلپی (م۱۰۶۷ھ)

[سلم الوصول الی طبقات الفحول:۳۱/۲]

(۱۷)عبدالملک بن حسین بن عبدالملک لعصامی المکی (م۱۱۱۱ھ)

[**سمط النجوم العوالی فی انباء الاوائل والتوالی:۱۰۳/۳**]

(۱۸)علامہ علی بن عبداللہ سمہودی (م۹۱۱ھ)[خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ:۳۷۸/۲]

ایک اشکال:

رہا یہ اشکال کہ مروان تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ اور تدفین کے انتظامات میں بھی شریک تھے، جنازے کے ساتھ روتے ہوئے جا رہے تھے تو جس کی طرف سے ہمدردی کا اتنا اظہار ہو وہ روضہ مبارکہ میں دفن سے کیسے رکاوٹ بن سکتے تھے؟ چنانچہ امام ابن سعد اپنی سند سے جویریہ بن اسماء سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے لوگوں نے اُس کا جنازہ نکالا تو مروان نے اُن کی چارپائی اٹھائی، تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا اُن کی چارپائی اٹھاتے ہو حالاں کہ آپ اُنہیں غصے کے گھونٹ پلاتے رہتے تھے؟ مروان نے کہا میں یہ معاملہ ایسے شخص سے کرتا تھا جس کا حلم (برداشت) پہاڑوں کے برابر ہوتا تھا۔[**الطبقات الکبری**:۳۵۴/۱،رقم:۳۱۸]

جواب یہ ہے:

کہ یہ روایت امام ابن سعد علی بن محمد سے اور وہ جویریہ بن اسماء سے روایت کرتے ہیں، علی بن محمد بن عبداللہ بن ابی سیف مدائنی ثقہ و مستند مؤرخ ہے، سنہ ۲۲۴ھ یا ۲۲۵ھ میں فوت ہوئے، اور راوی جویریہ بن اسماء بن عبید بصری بھی ثقہ ہے، سنہ ۱۷۳ھ میں فوت ہوئے، مگر چوں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سنہ ۴۹ھ یا سنہ ۵۰ھ میں فوت ہوئے، اور اُس وقت جویریہ بن اسماء پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، اِس لیے سند منقطع ہے۔ اِتنی روایات کے مقابلہ میں وزن نہیں رکھتی، اور اگر اِس روایت کی کوئی حیثیت مان لی جائے تو ممکن ہے کہ مروان کے دونوں عمل ہوں کہ روضہ مبارکہ میں دفن سے رکاوٹ بھی بنا اور جنازہ کی چارپائی بھی اٹھا لی، اور یہ ایسے ہے جیسے کوئی کسی شخص کو اچھی طرح کئی مُکے لگادے اور پھر جس جگہ مارا ہو اُس کو مَلنے لگے کہ اوہو آپ کو تکلیف ہوئی ہوگی، جیسے جناب عالی اکابرین کا احترام بھی کرتے ہیں اور ناقدین و گستاخانِ صحابہ کی فہرستیں تیار کرتے وقت اکابرین کو بھی گستاخان میں درج کرتے ہیں اور ماشاء اللہ اُن کے احترام میں بھی ذرا فرق نہیں آنے دیتے۔ (ختم شد)

☆......☆......☆......☆

ابن احمد قسط:۱۰

مفتی محمد زاہد صاحب فیصل آبادی......افکار ونظریات

''الصّحابۃُ کُلُّھُم عدول'' کے مفہوم میں تحریف

گذشتہ بحث میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل، متقن، متقی اور پرہیز گار ہیں، اور اہل السنۃ والجماعۃ کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں، یعنی وہ آسمان دیانت وتقویٰ کے درخشندہ ستارے ہیں، فسق وفجور ان کے قریب بھی نہیں پھٹکا۔

چنانچہ خداوندِ قدوس نے قرآن کریم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطَب کر کے فرمایا:

وَلَـکِنَّ اللّٰـهَ حَبَّبَ إِلَيْـكُـمُ الْـإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ۔[الحجرات:۷] لیکن اللہ نے تمہارے دل میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اسے تمہارے دلوں میں پر کشش بنا دیا ہے، اور تمہارے اندر کفر کی اور گناہوں کی اور نافرمانی کی نفرت بٹھا دی ہے۔ایسے ہی لوگ ہیں جو ٹھیک ٹھیک راستے پر آ چکے ہیں۔[آسان ترجمہ قرآن]

نیز ارشادِ باری ہے:أُولٰئِكَ الَّـذِيـنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ، [الحجرات:۷] ترجمہ: یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے خوب جانچ کر تقویٰ کے لیے منتخب کر لیا ہے، ان کو مغفرت بھی حاصل ہے اور زبردست اجر بھی۔[آسان ترجمہ]

بطور افہام و اتمام دو چار مستند حوالے یہاں درج کیے جا رہے ہیں مفصل بحث سابق میں مشاجرات اور عدالت کی گزر چکی ہے۔من شاء فلیراجع.

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" الصّحابة كلّهم عدول من لابس الفتن وغيرهم بإجماع من يعتد به، قال تعالى: (وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا)[البقرة۱۴۳] الآية، أي عدولا. وقال تعالى:(كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ)[آل عمران :۱۱۰]، والخطاب فيها للموجودين حينئذ. وقال صلّى اللّٰه عليه وسلّم: خير النّاس قرني، رواه الشيخان. قال إمام الحرمين: والسبب في عدم الفحص عن عدالتهم: أنّهم حملة الشريعة." [تدريب الراوى:۴۹۲، ۴۹۳، قديمى كتب خانه، كراچى]

یعنی باجماع معتبر علماء تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں، مبتلائے فتن ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں، (دلیل) ارشادِ باری تعالیٰ ہے، وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا، کہ ہم نے تمہیں امت وسط یعنی عادل بنایا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ، کہ تم بہترین امت ہو جو لوگوں

کے لیے نکالے گئے ہو، ان آیات میں خطاب اُس وقت موجود حضرات (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کو ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ لوگوں میں بہترین میرا زمانہ ہے، امام الحرمین نے فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت سے بحث وجستجو نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ حاملینِ شریعت و ناقلینِ شریعت ہیں۔

علامہ ملا قاری رحمہ اللہ تعالیٰ ارقام فرماتے ہیں:

”ذهب جمهور العلماء الى أنّ الصحابةَ رضى الله عنهم كلّهم عدول قبل فتنة عثمان و على و كذا بعدها ولقوله عليه الصلاة و السّلام أصحابى كالنجوم بأيّهم اقتديتم اهتديتم.“ [شرح الفقه الأكبر لملاعلى القارى:٦٣]

ترجمہ: جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل (پاکباز، متقی) ہیں حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کے زمانوں میں وقوع پذیر فتنوں سے پہلے بھی اور اُس کے بعد بھی، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی مانند ہیں، ان میں جس کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”قال ابن الصلاح والنووى الصحابة كلهم عدول وكان للنبى صلى الله عليه وسلم مائة ألف وأربعة عشر ألف صحابى عند موته صلى الله عليه وسلم والقرآن والأخبار مصرّحان بعدالتهم وجلالتهم ولما جرى بينهم محامل“[الصواعق المحرقة على أهل الرفض والضلال والزندقة:٢/٦٤٠، مؤسسة الرسالة،بيروت]

ابن صلاح اور امام نووی فرماتے ہیں، کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ومتقی تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ تھے، قرآن کریم اور احادیثِ طیبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت وتقویٰ اور جلالتِ شان کی صراحت ووضاحت کررہے ہیں، اوران کے باہمی مشاجرات و معاملات کے محمل اور تاویلات موجود ہیں۔

اس لیے اہل السنۃ والجماعۃ کا بجاطور موقف یہی ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ صرف روایتِ حدیث میں عادل و پاکباز ہیں بلکہ تمام معاملاتِ زندگی اور اعمالِ حیات میں بھی عادل ومتقی اور پرہیزگار ہیں، لیکن معصوم نہیں ہیں کہ ان سے کوئی خطا اور گناہ سرزد نہ ہو، معصوم عن الخطا صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی ذواتِ قدسیہ ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محفوظ عن الخطا ہیں، یعنی یا تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے خطا و معصیت کا صدور ہونے نہیں دیتے، اور اگر کسی ایزدی حکمت ومصلحت کی بنا پر کسی معصیت وگناہ کا صدور ہو تو خداوندِ قدوس صحابی کی زندگی میں ہی اس کا ازالہ وتدارک کروادیتے ہیں کہ صحابی جب دنیا سے جاتا ہے تو بموجبِ وعدۂ خداوندی ”وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى“ جنتی بن کر دنیا سے رخصت ہوتا ہے، اس لیے

الصحابۃ کلھم عدول کا یہ مطلب لینا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انبیاءِ کرام علیہم السلام کی مانند معصوم ہیں، نادرست اور غلط ہے، عصمت خاصۂ انبیاء ہے، تاہم دوسری طرف یہ کہنا کہ صحابی عام زندگی میں اس مفہوم میں بھی عادل نہیں ہوتا جو اہل السنۃ کے متفق علیہ و مسلّم ہے، تصریحاتِ اہل السنۃ و اکابر علماءِ دیوبند کے مطابق و موافق نہیں ہے، اس کا واضح مطلب تو یہ ہوا کہ صحابی فاسق ہوسکتا ہے، کیونکہ عدالت اور فسق میں تباین و تضاد ہے، عادل ہے تو فاسق نہیں، فاسق ہے تو عادل نہیں، اور عادل نہیں تو فاسق ہے۔

مفتی محمد زاہد مودودیت کی راہوں پر:

مگر مولانا مفتی محمد زاہد صاحب کا خیال اور نظریہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روایتِ حدیث میں تو عادل ہیں مگر دیگر احوالِ زندگی میں عادل اور متقی نہیں ہیں۔ درحقیقت یہ نظریہ بھی مودودی خیالات کا حصہ ہے، چنانچہ مودودی صاحب اپنی بدنامِ زمانہ کتاب ''خلافت و ملوکیت'' میں لکھتے ہیں:

''میں ''الصَّحَابَۃُ کُلُّھُم عدول'' (صحابہ سب راست باز ہیں) کا یہ مطلب نہیں لیتا کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم بے خطا تھے، اور ان میں کا ہر ایک ہر قسم کی بشری کمزوریوں سے بالاتر تھا، اور ان میں سے کسی نے کبھی کوئی غلطی نہیں کی ہے، بلکہ میں اس کا مطلب یہ لیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے یا آپ کی طرف کوئی بات منسوب کرنے میں کسی صحابی نے کبھی راستی سے ہرگز تجاوز نہیں کیا ہے۔''

[خلافت و ملوکیت، ۳۰۳، ط: ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۲۰۱۹ء]

یہی مولانا مفتی محمد زاہد صاحب کا موقف اور نظریہ ہے۔

نیز سید معاویہ رضی اللہ عنہ کے' موجودہ زمانہ کے طاعن اور گستاخ جناب سید سلمان ندوی کا بھی یہی خیال ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صرف روایتِ حدیث میں عادل ہیں (دیکھیے: مولانا سید سلمان حسینی ندوی اور دار العلوم ندوۃ العلماء کا حالیہ بحران، از عرفان نصر فاروقی ندوی، ص ۵، مکتبہ احسان، لکھنو، بحوالہ تلخیص و ترجمہ الاستیعاب از سید سلمان ندوی)

تصریحاتِ اکابر:

اس نظریہ کا علماءِ امت نے ابطال اور رَد فرمایا ہے، چنانچہ مولانا مفتی محمد تقی عثانی مدظلہم مودودی صاحب کے اس وقف کا ردِ بلیغ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اگر اس کتاب (خلافت و ملوکیت) کے ان مندرجات کو درست مان لیا جائے جو خاص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق ہیں تو اس سے عدالتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا وہ بنیادی عقیدہ مجروح ہوتا ہے جو اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے اور جسے مولانا مودودی صاحب بھی اصولی طور پر درست مانتے ہیں۔......
مولانا نے ''الصحابۃ کلھم عدول'' (تمام صحابہ رضی اللہ عنہم عادل ہیں) کو اصولی طور پر اپنا عقیدہ قرار دے کر یہ لکھا ہے کہ اس عقیدے کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوسکتی، بلکہ

اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ روایتِ حدیث میں انہوں نے پوری دیانت اور ذمہ داری سے کام لیا ہے۔......
لیکن اس گفتگو میں مولانا نے اس بحث کو صاف نہیں فرمایا، عقلی طور پر عدالتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے تین مفہوم ہوسکتے ہیں۔

(۱)......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معصوم اور غلطیوں سے بالکل پاک ہیں۔

(۲)......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی عملی زندگی میں (معاذ اللہ) فاسق ہوسکتے ہیں لیکن روایتِ حدیث کے معاملے میں بالکل عادل ہیں۔

(۳)......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ تو معصوم تھے اور نہ فاسق۔ یہ ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کسی سے بعض مرتبہ بتقاضائے بشریت ''دو ایک یا چند'' غلطیاں سرزد ہوگئی ہوں لیکن تنبہ کے بعد انہوں نے توبہ کرلی اور اللہ نے انہیں معاف فرمادیا، اس لیے وہ ان غلطیوں کی بنا پر فاسق نہیں ہوئے، چنانچہ یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی صحابی نے گناہوں کو اپنی ''پالیسی'' بنالیا ہو، جس کی وجہ سے اسے فاسق قرار دیا جاسکے۔......

...... پہلے مفہوم کو تو انہوں نے صراحتاً غلط کہا ہے اور جمہور اہل سنت بھی اسے غلط کہتے ہیں، اب آخری دو مفہوم رہ جاتے ہیں، مولانا نے یہ بات صاف نہیں کی کہ ان میں سے کون سا مفہوم وہ درست سمجھتے ہیں، اگر ان کی مراد دوسرا مفہوم ہے، یعنی یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین صرف روایتِ حدیث کی حد تک عادل ہیں، ورنہ اپنی عملی زندگی میں وہ معاذ اللہ فاسق و فاجر بھی ہوسکتے ہیں، تو یہ بات ناقابل بیان حد تک غلط اور خطرناک ہے، اس لیے کہ اگر کسی صحابی کو فاسق و فاجر مان لیا جائے تو آخر روایتِ حدیث کے معاملہ میں اسے فرشتہ تسلیم کرنے کی کیا وجہ ہے؟ جو شخص اپنے ذاتی مفاد کے لیے جھوٹ، فریب، رشوت، خیانت اور غداری کا مرتکب ہوسکتا ہے، وہ اپنے مفاد کے لیے جھوٹی حدیث کیوں نہیں گھڑ سکتا۔......اسی لیے تمام محدثین اس اُصول کو مانتے ہیں کہ جو شخص فاسق و فاجر ہو اس کی روایت صحیح نہیں ہوتی، ورنہ اگر روایات کو مسترد کرنے کے لیے یہ شرط لگادی جائے کہ راوی کا ہر ہر روایت میں جھوٹ بولنا ثابت ہو تو شاید کوئی بھی روایت موضوع ثابت نہیں ہوسکے گی اور حدیث کے تمام راوی معتبر اور مستند ہوجائیں گے، خواہ وہ عملی زندگی میں کتنے ہی فاسق و فاجر نہ ہوں۔ اور اگر مولانا مودودی صاحب عدالتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو تیسرے مفہوم میں درست سمجھتے ہیں جیسا کہ اوپر نقل کی ہوئی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے، سو یہ مفہوم جمہور اہل سنت کے نزدیک درست ہے، لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر انہوں نے جو اعتراضات اپنی کتاب میں کیے ہیں اگر اُن کو درست مان لیا جائے تو عدالت کا یہ مفہوم ان پر صادق نہیں آسکتا۔

[حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق، ۱۳۹تا۱۴۲، ط: معارف القرآن، کراچی، ۲۰۱۶ء]

یہی بحث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثانی مدظلہم نے دوسرے باب، صفحہ ۲۵۴ / پر بھی کی ہے۔

مولانا محمد ثاقب رساپوری اسی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دراصل مولانا مودودی صاحب نے عدالتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا جو مفہوم بیان کیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روایتِ حدیث کی حد تک تو عادل ہو سکتے ہیں لیکن زندگی کے تمام معاملات میں ان سے بعض کام عدالت کے منافی صادر ہو سکتے ہیں۔

[حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی روایات، ص۱۶۳، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۲۰۱۱ء]

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع عثمانی دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ اس نظریہ کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اور بعض علماء نے جو عدمِ عصمت اور عمومِ عدالت کے تضاد سے بچنے کے لیے ''عدالت'' کے مفہوم میں یہ ترمیم فرمائی کہ یہاں ''عدالت'' سے مراد تمام اوصاف و اعمال کی عدالت نہیں، بلکہ روایت میں کذب نہ ہونے کی عدالت مراد ہے، یہ لغت و شرع پر ایک زیادتی ہے، جس کی کوئی ضرورت نہیں۔''

[مقامِ صحابہ:۶۰]

موجودہ زمانہ کے مؤرخ مولانا محمد اسماعیل ریحان نے بھی اپنی نئی کتاب ''تاریخ امتِ مسلمہ'' [۶۷/۲] پر مفتی اعظم مولانا محمد شفیع عثمانی قدس سرہ کے حوالے سے اس نظریہ اور خیال کی تردید فرمائی ہے۔

محقق اہل سنت مولانا مہر محمد صاحب رحمہ اللہ (میانوالی) لکھتے ہیں:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلا استثناء، دروغ گوئی خصوصاً کذب فی الروایۃ سے پاک وصاف تھے اور کسی سے بھی کذب کا صدور نہیں ہوا اور بایں معنیٰ عادل ہونا بھی ان کی منقبت کی واضح دلیل ہے، لیکن عدالتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو صرف اس معنیٰ میں منحصر کرنا اور اسے محدثین کی مراد بتانا نا قابلِ تسلیم اور لائق مناقشہ ہے، کیونکہ بعض محدثین نے عدالت کی تفسیر میں جھوٹ سے بچنا لکھا ہے تو اس کا یہ معنیٰ ہرگز نہیں کہ ان محدثین کے نزدیک صحابہ رضی اللہ عنہم روایت میں عمداً کذب بیانی کے سوا باقی سب امور اور شعبہ ہائے حیات میں غیر عادل حتیٰ کہ ہر قسم کے کبیرہ گناہوں تک کا ارتکاب کرتے تھے، جیسے صاحبِ ''خلافت وملوکیت'' اور ان کے حواریوں کا خیال ہے بلکہ جھوٹ سے بچنے کی تصریح کا مطلب یہ ہے کہ بایں معنیٰ صحابہ رضی اللہ عنہم کی عدالت اتنی قطعی اور اٹل ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کی گناہوں سے عصمت کہ اس میں استثناء یا شذوذ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ کسی عالم نے آج تک یہ لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جھوٹ بولتے تھے، بخلاف چند اور گناہوں کے کہ چند حضرات کی ان سے عصمت کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا......حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہر فرد انبیاء علیہم السلام کی طرح قطعی معصوم نہیں کہ صدورِ معصیت محال ہی ہو، ہم نے اپنی کتاب میں یہی موقف اختیار کیا ہے۔......عدالتِ صحابہ رضی اللہ عنہم صرف روایت عن الرسول میں منحصر نہیں بلکہ ان کی سیرت کے ہر پہلو میں عام ہے۔...... محدثین جو عام رُواۃ کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ عادل ہیں تو یہ اس کی پوری سیرت کی پاکیزگی پر شہادت ہوتی ہے کہ وہ کبائر سے مجتنب اور صغائر پر غیر مصر ہے، پھر اسی بحث میں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق کہتے

ہیں: ''الصحابہ کلھم عدول'' کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب عادل ہیں، تو اب اس عدالت کو تجنب عن الکذب میں مخصوص نہیں کیا جائے گا ورنہ لازم آئے گا کہ غیر صحابی کی عدالت صحابی سے افضل ہو، وھو باطل. ......علماءِ اصول حدیث اور محدثین ''کلھم عدول'' کی دلیل ذکر کرتے ہوئے یہ جملہ فرماتے ہیں: ''زکّاھم و عدّلاھم'' کیونکہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا تزکیہ کیا ہے، اور ان کو عادل قرار دیا ہے۔ خدا اور رسول کا یہ تزکیہ اور تعدیل صرف کذب سے اجتناب میں نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم دیگر گناہوں کے مرتکب ہوتے رہتے تھے، بلکہ یہ مجموعی طور پر ان کے اعمال واخلاق کی عیوب سے طہارت اور آلودگیوں سے اجتناب پر شہادت ہے، تو معلوم ہوا محدثین کے نزدیک بھی عدالت میں تعمیم ہے۔ ......بہر حال! تزکیہ، نزاہت، قصدِ معصیت سے تبریہ ان کی شان کی گناہوں سے بلندی جیسے واضح الفاظ ہمارے مؤید ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت عام ہے، اور وہ بالعموم سب گناہوں اور معاصی سے محفوظ ہیں، ایسی صراحتوں کے باوجود کیا اب بھی محدثین پر یہ اتہام لگایا جائے گا کہ ان کے نزدیک صحابہ رضی اللہ عنہم تعمدِ کذب فی الروایۃ تک عادل تھے باقی ہر قسم کے کبائر اور معاصی کرتے تھے، اور ذنوب ان سے معدوم نہیں ہوئے تھے۔ [عدالتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ص ۷۰ تا ۷۵، طبع ہفتم]

یہ ایک بالکل بدیہی اور سادہ سی سے بات ہے کہ اگر یہ موقف تسلیم کرلیا جائے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عام زندگی میں عادل نہیں، صرف روایتِ حدیث میں عادل ہیں، اور ان کی قبولِ روایت کے لیے عام زندگی میں عدالت ضروری نہیں تو اس سے نہ صرف یہ اصولِ حدیث میں برائے قبولِ روایت عدالت کی شرط ایک مذاق اور مضحکہ خیز قاعدہ بن کر رہ جائے گا بلکہ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ دیگر رواۃ تو عام معاملاتِ حیات میں بھی عادل ہوں اور صحابیٔ رسول رضی اللہ عنہ نعوذ باللہ عادل نہ ہو۔ جیسا کہ حضرت مولانا مہر محمد صاحب میانوالی رحمہ اللہ نے بھی ذکر فرمایا ہے۔

بعض حضرات نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ایسی باتوں کی نسبت کی ہے، جس کے جواب میں مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع عثمانی دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے [مقامِ صحابہ: ۶۰، ۶۱] یہ تصریح فرمائی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اولاً شاہ صاحب کی طرف ان عبارات کی نسبت مشکوک ہے، کما حققناہ فی السابق، ثانیاً اگر تسلیم کرلیا جائے کہ یہ حضرت شاہ رحمہ اللہ کی عبارات ہیں تو خلافِ جمہور ہونے کی وجہ سے متروک ومردود ہیں۔

فلھذا مفتی محمد زاہد صاحب، مودودی صاحب اور جناب سید سلمان ندوی کا یہ نظریہ باطل اور غلط ہے۔ (جاری)

☆......☆......☆......☆

بہ سلسلہ زبیر علی زئی کا تعاقب

مفتی رب نواز حفظہ اللہ

علی زئی جواب پر ایک نظر

......قسط:۲......

زبیر علی زئی:

۲: بدعقیدہ ۴۹۳ یعنی مخالفین کتاب و ۴۹۴ سنت (اہلِ ۴۹۵ بدعت: غالی ۴۹۶ مقلدین ۴۹۷)

الجواب:

۴۹۳

دیوبندیوں کے عقائد کی صحت غیر مقلدین کی زبانی:

علی زئی کا دیو بندیوں کو بدعقیدہ کہنا خلافِ حقیقت ہے۔خود آلِ غیر مقلدیت کو اعتراف ہے کہ دیو بندی صحیح العقیدہ ہیں۔چند نقول حاضر خدمت ہیں۔

(الف) غیر مقلدین نے اقرار کیا ہے کہ دیو بندیوں کے عقائد قرآن وحدیث سے ثابت ہیں۔

عبد الجبار کھنڈیلوی صاحب غیر مقلد فرماتے ہیں:

’’جاننا چاہیے کہ ہمارے نزدیک جب تک کوئی شخص پورا کلمہ توحید: اشھد ان لا الـہ الا اللـہ واشھد ان محمدرسول الله نہ پڑھے گا وہ مسلمان نہیں، کیونکہ اسلام میں جہاں اقرار توحید الٰہی ضروری ہے وہاں اقرار رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ضروری اور لازمی امر ہے اور جیسے وجود باری کا ماننا ضروری ہے ویسے ہی اس کی جملہ صفات ثبوتیہ وسلبیہ کا اقرار بھی لابدی امر ہے اور اس کی جملہ صفات کمالیہ مخصوصہ میں کوئی مخلوق اس کی سہیم وشریک نہیں۔چاہے وہ مخلوق نبی ہو یا ولی یا دیوی ہو یا پری اور اُس کی ذات ساتوں آسمانوں کے اوپر عرشِ عظیم پر ہے۔تاہم اس کا علم ہر جگہ ہے۔وہ سب کو دیکھتا ہے اور سب کی سنتا ہے۔یہاں تک کی چیونٹی کے پیر کی آہٹ بھی سنتا ہے۔اس کی قدرت وسطوت ہر چیز پر ہے۔وہ جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔اور جو چاہے گا سو کرے گا اور جو چاہا سو کیا۔عبادت وبندگی کی اُسی ذات واحد کے لیے ہے۔جو شخص خدائی صفات مخصوصہ کو کسی نبی، ولی یا دیو پری میں خیال کرے گا وہ ہمارے نزدیک مشرک ہے۔ہم تمام صفات خدائے تعالی کو جو قرآن وحدیث سے ثابت ہیں بلا کیف وبلا تشبیہ وبلا تاویل وتعطیل تسلیم کرتے ہیں اور ان پر ایمان واعتقاد رکھتے ہیں جیسے سمع وبصرو ید و قدم و ضحك و تعجب وغیرہ۔اور قریب قریب یہی اعتقاد دیو بندی حضرات کا ہے۔‘‘ [خاتمہ اختلاف:۱۳]

نیز ان مذکورہ عقائد کے بارے میں لکھتے ہیں:

’’واقعہ یہ کہ اہل حدیث کے جملہ عقائد وہی ہیں جو بطریق محدثین صحیح سند وقوی دلیل قرآن وحدیث سے ماخوذ ہیں۔[خاتمہ اختلاف:۱۱۵]

پس جب کھنڈیلوی کے بقول اہل حدیث کے جملہ عقائد قرآن وحدیث سے ماخوذ ہیں اور وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرات علمائے دیوبند کے عقائد بھی یہی ہیں تو معلوم ہوا کہ خود غیر مقلدین کے نزدیک علمائے دیوبند کے عقائد بھی قرآن وحدیث سے ماخوذ ہیں۔[المہند الدیو بندی :۵۵]

ارشادالحق اثری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’عقائد میں اہل حدیث دیوبند کے قریب ہوتے ہوئے بھی صرف اس لیے دُور ہیں کہ وہ حنفی نہیں کہلاتے۔تقلید نہیں کرتے۔‘‘[مقالاتِ اثری ۱/۵۸]

اثری صاحب بھی مان گئے ہیں کہ عقائد میں اہل حدیث اور دیوبندی ایک دوسرے کے قریب ہیں اور غیر مقلدین کا دعوی ہے کہ اہل حدیث کے عقائد قرآن وحدیث سے ماخوذ ہیں تو دیوبندیوں کے عقائد کو بھی قرآن وحدیث سے ماخوذ ماننا پڑے گا۔

(ب) غیر مقلدین یہ بھی مانتے ہیں کہ دیوبندی ’’اہل توحید‘‘ ہیں۔

ناظم تبلیغ اہلحدیث پنجاب محمد عبداللہ ثانی صاحب غیر مقلد بریلویوں کے ایک جلسہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’جلسے کا نام عُرس امام اعظم رکھا مگر حملہ سارا اہل توحید (جماعت اہل حدیث اور دیوبندیوں) پر تھا۔‘‘[وجہ تالیف شمع توحید مشمولہ رسائل ثنائیہ:۲۰۷]

قوسین کے الفاظ بھی ثانی صاحب کے ہیں انہوں نے صراحۃً دیوبندیوں کو ’’اہل توحید‘‘ لکھا ہے۔

غیر مقلدین کے ایک ’’مرتب صاحب‘‘ نے کسی بریلوی کے بارے میں لکھا:

’’آپ کی ترقی کا نمونہ آپ کی ایک تحریر ہے جس میں اپنے خیال کے حنفی اور اپنے مخالف رائے اہل توحید (اہل حدیث اور دیوبندی) میں مناکحت جائز نہیں سمجھتے۔‘‘[رسائل ثنائیہ:۴۳۷]

قوسین کی عبارت بھی رسائل ثنائیہ ہی کی ہے۔اس عبارت میں بھی دیوبندیوں کو ’’اہل توحید ‘‘تسلیم کیا گیا ہے۔

غیر مقلدین کی کتاب ’’فتوحات اہل حدیث‘‘ میں لکھا ہے:

’’محمد عمر [بریلوی، (ناقل)] بار بار یہ کہتا کہ تم تو غیر مقلد اہلحدیث اور دیوبندی مقلد ہیں تم کن کی

طرف سے مناظرہ کرو گے۔حافظ [عبدالقادر روپڑی، (ناقل)] صاحب نے فرمایا میں آپ کے ساتھ اس وقت اہل توحید کی طرف سے مناظرہ کروں گا مذکور مسئلہ میں ہمارا اور ان کا عقیدہ ایک ہی ہے مشرکوں اور بدعتیوں کو میدان سے بھگانے اور شرک وبدعت کو مٹانے کے لیے ہمارا محاذ ایک ہی ہوتا ہے۔''

[فتوحات اہل حدیث:۱۸۳]

روپڑی صاحب نے بھی دیوبندیوں کو''اہل توحید'' قرار دیا ہے۔

ارشادالحق اثری صاحب غیر مقلد نے حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی وفات پر جو تعزیتی خط لکھا اس میں یہ مضمون بھی ہے:

''حضرت کے انتقال کا صدمہ آپ کا، اہل خانہ کا اور احباب ومتوسلین نصرۃ العلوم کا ہی نہیں بلکہ تمام اہل توحید کا صدمہ ہے۔'' [ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ اشاعت خاص:۸۰۳]

اثری صاحب دیوبندیوں کے بزرگ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی وفات کو تمام اہل توحید کا صدمہ کہہ رہے ہیں لہٰذا یہ دلیل ہے کہ دیوبندی''اہل توحید'' ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ توحید کا پرچار اور اہل شرک کی تردید میں جس قدر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب نے کام کیا ہے اتنا کام بڑے بڑے غیر مقلدین مثلاً میاں نذیر حسین دہلوی، وحید الزمان، اثری صاحب، طالب الرحمٰن، مبشر ربانی اور خود علی زئی صاحب نے نہیں کیا تو یہ دعویٰ بے جا نہ ہوگا۔

ثناء اللہ امرتسری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''شاہ ولی اللہ صاحب کے شاگردوں کا نام بوجہ تردید رسوم شرکیہ وہابی رکھا گیا۔ آگے چل کر شاہ ولی اللہؒ کا سلسلہ دو شاخوں میں منقسم ہوا۔ ایک شاخ حضرت میاں صاحبؒ مولانا سید نذیر حسینؒ مرحوم کی بنی۔ اور دوسری مولانا احمد علیؒ صاحب سہارن پوری کی۔ مولانا سید نذیر حسین صاحبؒ کے شاگردوں کی شاخ تو اہل حدیث کہلائے اور مولانا احمد علی صاحبؒ کی شاخ میں مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی ومولانا محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی بانیان مدرسہ دیوبند ہوئے۔ چونکہ ان دونوں شاخوں کا مخرج ایک ہی تھا یعنی چشمہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ۔ اس لئے سوائے مسئلہ تقلید کے تردید رسوم شرکیہ میں دونوں شاخیں ایک دوسرے کے موافق اور مؤید ہیں۔'' [فتاویٰ ثنائیہ:۱/۴۱۵]

امرتسری صاحب نے دیوبندیوں کو نہ صرف شرک سے پاک کہا بلکہ انہیں شرک کی تردید کرنے والا کہا ہے۔ نیز انہوں نے دیوبندیوں کو''اہل السنّت والجماعت'' بھی تسلیم کیا ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ اور امرتسری صاحب کی گواہی میں نسبۃً زیادہ وزن ہے اس لیے کہ یہ اعتراف غیر مقلدیت انہوں نے علمائے

دیوبند کو قریب سے دیکھا ہے بلکہ وہ دارالعلوم دیوبند میں پڑھتے بھی رہے ہیں۔

اسلم سیف صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’راشدیوں کی یہ گدی دو توحید پرستوں میں تقسیم ہوگئی۔اس گدی کے اہل حدیث جانشین مرحوم سید محبّ اللہ شاہ راشدی تھے۔دوسری گدی کے حصہ پر ہمارے دیوبندی بزرگ براجمان ہیں۔‘‘

[مجلّہ بحرالعلوم اشاعت خاص، بیاد بدیع الدین راشدی:۶۰۹]

سیف صاحب نے بھی دیوبندیوں کو’’اہل توحید‘‘تسلیم کیا ہے۔

صلاح الدین یوسف صاحب غیر مقلد، عطاء اللہ حنیف صاحب غیر مقلد کے بارے میں لکھتے ہیں:

’’ان کا نقطہ ٔنظر یہ تھا کہ شرک وبدعت اور الحاد وتجدد کے مقابلے میں اہل حدیث اور اہل دیوبند (اہل توحید) کو زیادہ سے زیادہ اتحاد اور اشتراک عمل کا اہتمام کرنا چاہیے۔‘‘

[الاعتصام لاہور:اشاعتِ خاص، بیاد عطاء اللہ حنیف:۴۸۷]

یوسف صاحب نے دیوبندیوں کو قوسین میں’’اہل توحید‘‘ لکھا ہے۔

سید احمد شہید کی تحریکِ جہاد کے بارے میں اسماعیل سلفی غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’اس تحریک کی بنیاد چوں کہ توحید وسنت پر تھی، اس لیے سید احمد شہید کے عساکر میں...دیوبندی مکتب خیال کے آدمی شامل تھے...دیوبندی سے میری مراد مدرسہ دیوبند نہیں، بلکہ وہ مکتب خیال ہے جس کی اشاعت کے لیے مدرسہ دیوبند کی تاسیس عمل میں آئی‘‘ یعنی کتاب وسنت کو حضرت امام ابوحنیفہ اور اُن کے تلامذہ کے نطقہ ٔنظر سے سمجھنا اور اس انداز فکر کو نظر وفکر کی اساس قرار دینا جو فقہ العراق کی تاسیس کے وقت حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور اُن کے ارشد تلامذہ کے پیشِ نظر تھا، یعنی صحیح حنفی مسلک جو بدعاتِ عملی اور اعتقادی کی آمیزش سے پاک اور صاف ہو۔اس لیے دیوبندی سے مراد وہی لوگ ہیں جو فہم میں فقہائے عراق رحمہم اللہ کے مسلک کے پابند ہوں اور بدعات اور ان کے مبادی سے انہیں نفرت ہو۔‘‘

[مقالات وفتاویٰ:۲۳۷]

غیر مقلدین کی کتاب میں لکھا ہے:

’’دیوبندی حضرات تو توحید وغیرہ کے قائل ہیں۔اُن کے پیچھے نماز کا کوئی حرج نہیں۔‘‘

[مولانا محمد عبداللہ دیروو الوی:۵۱۳]

آلِ غیر مقلدیت کے مذکورہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ دیوبندی صحیح العقیدہ ہیں جب کہ

غیر مقلدوں کا بدعقیدہ ہونا خود اُن کی زبانی حاشیہ:۴۸۹/ میں بیان ہو چکا ہے۔

۴۹۴

دیوبندی کتاب وسنت والے ہیں:

علی زئی کا دیوبندی مقلدین کو کتاب وسنت کا مخالف کہنا حقیقت کے برخلاف ہے۔ غیر مقلدین نے بار ہا اعتراف کیا ہے کہ دیوبندی کتاب وسنت کے متبعین ہیں اس پر بہت سے حوالے بندہ کی کتاب ''غیر مقلدین کا علمائے دیوبند کو خراج تحسین'' میں درج ہیں۔ دو تین حوالے یہاں بھی نقل کرتے ہیں۔

محمد حسین بٹالوی غیر مقلد کہتے ہیں:

''مذاہب اربعہ ان مجموعہ مسائل کا نام ہے جو کتاب اللہ وحدیث رسول واجماع وقیاس سے ماخوذ ہیں۔'' [تاریخ اہلِ حدیث:۱/۲۰۳ ڈاکٹر بہاؤالدین]

علی زئی صاحب نے بٹالوی صاحب کو ''اہلِ حدیث کے اعیان وارکان'' میں شمار کیا ہے۔ [علمی مقالات:۴/۱۰]

ابوالقاسم محمد حسین حافظ آبادی غیر مقلد نے فقہ حنفی پر بحث کرتے ہوئے لکھا:

''پس یہ مذہب مجموعہ کتاب اللہ، احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آثارِ سلفیہ وقیاساتِ اکابر مجتہدین ہوا جو یکے بعد دیگرے منقح ہوتا ہوا حنفی مذہب کے نام سے موسوم ہوا۔ پس تمسک بالحدیث جیسا کہ سابقاً ظاہر ہو چکا ہے اس مذہب میں سلف صالحین کے طریقہ پر ہے۔'' [اشاعۃ السنۃ:۲۲/۲۸۰]

اوپر کی دونوں عبارتوں سے ثابت ہے کہ حنفی مقلدین کتاب وسنت والے ہیں اور غیر مقلدین کو یہ بھی اعتراف ہے کہ علمائے دیوبند خالص حنفی ہیں جیسا کہ آگے آ رہا ہے، ان شاءاللہ۔

اسماعیل سلفی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''دیوبندی سے میری مراد مدرسہ دیوبند نہیں، بلکہ وہ مکتب خیال ہے جس کی اشاعت کے لیے مدرسہ دیوبند کی تاسیس عمل میں آئی، یعنی کتاب وسنت کو حضرت امام ابوحنیفہ اور اُن کے تلامذہ کے نطقۂ نظر سے سمجھنا'' [مقالات وفتاویٰ:۲۳۷]

تنبیہ: کتاب وسنت کو ائمہ احناف کے نقطۂ نظر سے سمجھنا اعتراض کی بات نہیں۔ خود علی زئی نے بار ہا لکھا ہے کہ کتاب وسنت کو سلف صالحین کے فہم کے مطابق ماننا چاہیے۔ (جاری ہے۔)

☆......☆......☆......☆

مجلّہ صفدر جلد نمبر ۹ رجنوری تا دسمبر ۲۰۱۹ء کی فہرست

شمارہ ۹۵......جنوری ۲۰۱۹ء رربیع الثانی، جمادی الاولیٰ ۱۴۴۰ھ

شمارہ ۹۶......فروری ۲۰۱۹ء رجمادی الاولیٰ، جمادی الثانیہ ۱۴۴۰ھ

شمارہ ۹۷/۹۸......مارچ/اپریل ۲۰۱۹ء/جمادی الثانیہ تا شعبان ۱۴۴۰ھ

شمارہ ۹۹......مئی ۲۰۱۹ء/شعبان/رمضان ۱۴۴۰ھ

شمارہ ۱۰۰/۱۰۱......جون/جولائی ۲۰۱۹ء/رمضان تا ذوالقعدہ ۱۴۴۰ھ

شمارہ ۱۰۲/۱۰۳......اگست/ستمبر ۲۰۱۹ء/ذوالحجہ ۱۴۴۰ھ، محرم ۱۴۴۱ھ

شمارہ ۱۰۴/۱۰۵......اکتوبر/نومبر ۲۰۱۹ء/صفر، ربیع الاول ۱۴۴۱ھ

جو صحابہ رضی اللہ عنہم کا نہیں وہ ہمارا نہیں

قائد اہل سنت وکیل صحابہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اِس زمانے میں کوئی بھی ہو، بڑے سے بڑا ولی ہو، اگر اس کی زبان یا قلم سے صحابی کے خلاف بے ادبی کا لفظ نکلے تو جو صحابہ کو صحیح (معنی میں) ماننے والا ہے وہ اُس (شخص) کو اُسی وقت چھوڑ دے، یعنی اس (صحابہ کی) عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس کو چھوڑ دے گا۔ نہ یہ (دیکھے گا کہ) میرا اُستاد ہے، نہ (یہ سوچے گا کہ میرا) پیر (ومرشد) ہے۔..... یہ نہ سمجھے کہ یہ اللہ کے ہاں مقبول ہے، کیونکہ اللہ کے ہاں مقبول تو وہ ہوتا ہے جس کے دِل ودماغ میں صحابہ کی عظمت غالب ہوتی ہے۔'' [ماہنامہ حق چار یار: ۱۲، فروری ۲۰۱۹ء]

نیز حضرتؒ فرمایا کرتے تھے: ہمارے لیے تو یہی کسوٹی ہے: ''جو صحابہ کا نہیں وہ ہمارا نہیں۔''

المرسل: جناب نثار معاویہ صاحب

حمزہ احسانی

جمعیۃ علماء اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن کا ''آزادی مارچ''

گزشتہ سال سپریم کورٹ پاکستان کے بدنام زمانہ چیف جسٹس ثاقب نثار نے حکومتی پشت پناہی، بیرونی دباؤ، لالچ اور دیگر وجوہات کی بنا پر گستاخِ رسول کی مجرمہ ملعونہ آسیہ مسیح کو بری کر کے اپنی بدباطنی کا اِظہار کیا۔ سپریم کورٹ کے اِس غلط اور سیاہ ترین فیصلے کے بعد پوری قوم نے رَدِعمل کا بھرپور اظہار کیا۔

جمعیۃ علماء اِسلام پاکستان کے موجودہ مرکزی اَمیر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ نے ملک بھر کے طول وعرض میں لاکھوں اَفراد کی شرکت کے ساتھ انتہائی منظّم اور پرامن اَنداز میں پندرہ ''ناموس رسالت ملین مارچ''، منعقد کیے۔ (اگرچہ ان میں روافض وغیرہ کی شرکت رہی جس سے اِتفاق کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ البتہ یہ پہلو خوش آئندہ ہے کہ ''آزادی مارچ''، میں رافضی اور مودودی حضرات نظر نہیں آئے۔)

پھر ۲۷ر اکتوبر ۲۰۱۹ء کو کراچی سے عوام کے ایک جم غفیر کے ساتھ ''آزادی مارچ'' کا آغاز کیا، اور سکھر، ملتان، لاہور اور گوجرخان میں پڑاؤ کے بعد اپنی اعلان کردہ تاریخ ۳۱ر اکتوبر کو پشاور موڑ اسلام آباد پہنچے۔ ہر شہر میں مولانا اور اُن کے قافلے کا پرجوش استقبال کیا گیا، عقیدہ ختم نبوت اور ناموس رسالت کے قانون کے تحفظ، پاکستان کے اسلامی تشخص کی بقا اور دین وملک دشمن قوتوں کو اسلامیان پاکستان کی بیداری اور حرمت رسول پر مر مٹنے کا جذبہ دِکھانے کے لیے ملک کے دُور دراز علاقوں سے اسلام آباد آنے والے اِن مہمانوں کو ہر جگہ خوش آمدید کہا گیا، قافلوں سے قافلے ملتے گئے اور لاکھوں فرزندانِ اسلام کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر پشاور موڑ کی مرکزی شاہراہ پر پہنچ گیا۔ اور دس دن کے سنجیدہ، باوقار اور مہذب قیام کے بعد اگلی منزل کی جانب روانہ ہوگیا۔ (آزادی مارچ کے بینروں اور کنٹینروں پر آویزاں اِنسانی تصاویر کے غیر شرعی عمل نے بہت کبیدہ خاطر کیا، خصوصاً ایک کنٹینر پر لگی زنانہ تصویر علماء دین کا منہ چڑا رہی تھی۔ نعوذ باللہ من ذلک)

اِس آزادی مارچ سے جہاں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کی کوششوں اور ناموس رسالت کے قانون کو تقویت ملی وہیں خالص دینی اور مذہبی لوگوں کا اصل مہذب چہرہ بھی سامنے آیا، ملک کے ہر کونے کے عوام کی شرکت نے پوری دنیا کو غیور پاکستانی عوام کی دین سے محبت اور مذہب سے والہانہ وابستگی کا واضح پیغام دیا۔

اللہ تعالیٰ اِس آزادی مارچ سمیت اہل اسلام کی تمام نیک کاوشوں کو قبولیت عطا فرما کر مؤثر ومفید بنائیں اور ہر اعتبار سے شریعت کے دائرہ کی پابندی اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔ اور دین وطن دشمنوں کے تمام منصوبوں، سازشوں اور کوششوں کو ناکام فرما کر ملک پاکستان کو خلفاء راشدین کا نظام نصیب فرمائیں۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم ☆☆☆☆

مجلہ صفدر کے دستیاب خاص نمبرات اور اہم مضامین

حقیقت میلاد نمبر......میلاد کے بارے میں اکابر اہل سنت کی تحریرات کا مفید مجموعہ......ش:۸۲...... قیمت:50

گوشۂ خاص......بیاد: شیر اسلام حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری شہیدؒ......ش:۱۲/۱۳...... قیمت:30

گوشہ خاص......مشاجرات صحابہ اور اہل سنت کا مسلک اعتدال......مولانا مجیب الرحمٰن......شمارہ:۸۶، قیمت:25

گوشہ خاص......''صفاتِ متشابہات اور سلفی عقائد'' چند اعتراضات کا جائزہ......مولانا مفتی عبدالواحد......ش:۹۰

مولانا زاہد الراشدی اور عمار خان ناصر کے نام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کا مکتوب گرامی......ش:۴۴......35

مولانا راشدی کی الشریعہ اور عمار خان سے براءت: حقیقت کیا ہے؟......ش:۶۰/۶۱/۶۲...... قیمت:75

غامدی کا جوابی بیانیہ، از: شکیل عثمانی......ش:۶۴...... قیمت:25

آئین محمدی اور قانون غامدی......مولانا عبدالحق خان بشیر......شمارہ:۸۵...... قیمت:25

اہل یورپ کی قیامت تک دنیا پر حکومت، خدائی فیصلہ یا غامدی خواہش؟......مولانا احسن خدامی......شمارہ:۹۲

حدیث کلاب حوأب اور قاضی طاہر ہاشمی کی تحقیق پر نظر، از: مولانا مجیب الرحمٰن......ش:۶۵ تا ۷۵...... قیمت:150

اُفکارِ علوی مالکی: حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کی رائے اور مولانا نثار حسینی کی ناانصافی......ش:۷۳

عریضہ بخدمت مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ، بابت عقیدہ امامت اور مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ......ش:۸۳...... قیمت:۲۵

عقیدہ امامت اکابر اہل سنت کی نظر میں (پچیس سے زائد اکابر اہل سنت کے حوالہ جات)......ش:۸۳

مسئلہ ختم نبوت اور شیعہ، ادارہ لولاک کی خدمت میں......حافظ محمد عدیل عمران......شمارہ:۹۳......

مودودی جماعت کی پانچ بنیادی گمراہیاں......مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری......شمارہ:۸۸......

ہم اپنے ہاتھوں سے مدارس کو اُجاڑ رہے ہیں......شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ......شمارہ:۹۵

مولانا مفتی عبیدالرحمٰن کے......صفدر میں شائع ہونے والے مضامین کی فہرست

۱......عدالتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین......۱۸/صفحات......شمارہ:۹۶......فروری ۲۰۱۹ء

۲......مقاصد شریعت کی اہمیت اور اس کے حدود وضوابط......۷/صفحات......شمارہ:۹۷/۹۸......مارچ

۳......سماج میں تصویر کا فروغ اور اسلامی تعلیمات......۵/صفحات......شمارہ:۱۰۰/۱۰۱......جون ۲۰۱۹ء

۴......تحریف کا مفہوم، اقسام اور روک تھام......۷/صفحات......شمارہ:۱۰۲/۱۰۳......اگست/ستمبر ۲۰۱۹ء

۵......رسول اللہ ﷺ کے اَفعال وسنن کی تشریعی اور اُصولی حیثیت......۱۵/صفحات......شمارہ:۱۰۴/۱۰۵

۶......دینی غیرت وحمیت، اہمیت اور اس کے تقاضے......۷/صفحات......شمارہ:۱۰۴/۱۰۵......اکتوبر..

۷......عقیدہ عصمتِ انبیاء......۱۰/صفحات......شمارہ:۱۰۶......دسمبر ۲۰۱۹ء

رابطہ: مولانا احسن خدامی، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82 محمود سٹریٹ، محلہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

0334-4612774__0307-5687800